نکات غالب

جس میں

میرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی

کی

خود نوشتہ سوانح عمری، نکتے جو وقتاً فوقتاً انھوں نے اپنے خطوط

میں لکھے اور ان کے لطیفے شامل ہیں۔

مرتبہ

نظامی بدایونی

نظام الدین حسین پرنٹر

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارش

مرزا اسد اللہ خاں غالب ہندوستان کے باکمال لوگوں میں گزرے ہیں وہ تیرھویں صدی ہجری میں جبکہ سلطنت تیموریہ کی صبح اور دوپہر کا زمانہ گزرنے کے بعد اس کی شام قریب آ لگی تھی پیدا ہوئے۔ اردو علم ادب کے نشو و نما میں انھوں نے اپنے زمانہ کے سب شعرا اور مصنفین سے زیادہ حصہ لیا۔ آج اردو نثر میں جو بے تکلفی اور شگفتگی پائی جاتی ہے اس کی داغ بیل انھوں نے ڈالی تھی۔ ان کے زمانہ میں عموماً فارسی زبان میں خط و کتابت ہوتی تھی یا فارسی نما اردو زبان باہمی مراسلت میں استعمال کی جاتی تھی سب سے پہلے مراسلہ کو مکالمہ کی صورت میں لکھنے کا ڈھنگ انھوں ہی نے اختیار کیا۔

مرزا اسد اللہ خاں جن کی ولادت آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ کو ہوئی اور ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو انتقال ہوا کون تھے کیا تھے؟

ہم چاہتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں مرزا صاحب کا حال خود انھیں کی زبان سے سنوائیں۔ اس کتاب کے شروع میں پہلے ناظرین ان کی تصویر پر نظر ڈالیں یہ وہ تصویر ہے جو انھوں نے سنہ ۱۸۶۷ء میں اپنے مرنے سے صرف ۲ دو سال پہلے کھنچوائی تھی اور اس وقت بوجہ پیرانہ سالی ان کی جو حالت تھی اس کا نقشہ انھوں نے خود اپنے ایک خط میں اس طرح کھینچا ہے "ستر ابہترا اُردو میں ترجمہ، پیر خرف ہے۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں سامعہ باطل بہت دن سے تھا رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند معدوم ہو گیا۔ اب مہینہ بھر سے جو دوست آتے ہیں رسمی پرسش مزاج سے بڑھکر جو بات ہوتی ہے وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا مفقود ہے صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر، دوپہر کو گوشت کا پانی، سرِ شام تلے ہوئے چار کباب، سوتے وقت پانچ روپیہ بھر شراب اور اسی قدر گلاب، خرف ہوں، پوچ ہوں، عاصی ہوں، فاسق ہوں روسیاہ ہوں" یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے ؎

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

یہ تصویر بھی زبان حال سے مرزا کے اس بیان کی تائید کر رہی ہے اور ان کی زمانۂ انحطاط کی صورت کو ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے۔

لیکن اُن کے آخری زمانہ کی نظم و نثر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے انھیں جو دماغی قابلیت عطا کی ہے وہ اس زمانہ میں بھی ویسی ہی تر و تازہ تھی جیسی عہد جوانی میں ۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان میں مشہور ہنگامہ برپا ہوا تھا ان کی

عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی تھی اُس کے فرو ہونے کے بعد انھوں نے ایک زبردست فارسی قصیدہ لکھا تھا جو بقول ڈاکٹر سید محمود "فن شاعری اور قادر الکلامی کا ایک گرانقدر بہا اور نادر الوجود نمونہ ہی" [1] اس قصیدہ میں مرزا نے یہ کمال کیا ہی کہ ظاہری معنی کے علاوہ ہر شعر سے سیاسی پہلو بھی نمایاں ہوتا ہی اسی زمانہ میں مرزا نے ہز ہائی نس نواب یوسف علیخاں بہادر والی رام پور کی خدمت میں بھی ایک فارسی قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا جس میں اپنی تکالیف کا ذکر کرکے ان کے تغافل اور عدم توجہی کا شکوہ کیا تھا اس قصیدہ کا نواب صاحب پر اس درجہ اثر ہوا تھا کہ اس کے دیکھتے ہی سو روپیہ ماہانہ مرزا کے لیے مقرر کر دیا تھا جو ان کی دم واپسیں تک جاری رہا۔

اُردو خطوط نویسی کے جدید طرز بھی مرزا کے آخری زمانہ ہی کی یادگار ہی یہ طرز مرزا نے اس زمانہ میں سب سے الگ ہو کر ایجاد کی تھی جبکہ پڑھے لکھے لوگ اُردو میں خط و کتابت کرنا اپنی کسر شان سمجھتے تھے خدا کی شان ہی کہ آج تمام ملک کی مراسلہ نویسی اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ مرزا نے بہت پہلے اس ملک کے مذاق کا اندازہ کر لیا تھا مرزا کے بہت سے خطوط اس روش خاص میں لکھے گئے ہیں۔ ان کی زندگی ہی میں اُردوئے معلےٰ اور عود ہندی کے نام سے طبع ہو گئے تھے جو آج بھی فن ادب اُردو کے طالبین کے لیے ہادی راہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ رسالہ جو "نکات غالب" کے نام سے ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہی مرزا کے انھیں خطوط کا عطر ہی ہم نے

[1] ماخوذ از مقدمہ دیوان غالب شرح مطبوعہ نظامی پریس بدایوں طبع سوم (پاکٹ ایڈیشن) مرقومہ ڈاکٹر سید محمود صاحب بار ایٹ لا پی ایچ ڈی ۱۲

اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلے حصہ میں مرزا کی زندگی کے وہ حالات ہیں جو بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح اُردوئے معلیٰ اور عود ہندی کے صفحات میں منتشر تھے میں نے ان کو ایک لڑی میں منسلک کر دیا ہے اور حالات کو اس طرح جمع کر دیا ہے کہ گویا کہ یہ مرزا کی زندگی کا روزنامچہ خود اُن کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ غالباً تعلیم یافتہ اصحاب کے لیے جو کسی مشہور مصنف یا شاعر کے خود نوشتہ حالات زندگی کو دوسری سوانح عمریوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ صفحات خاص طور پر دلچسپی کا باعث ہونگے۔

دوسرے حصہ میں انھیں خطوط میں بہت سی کام کی باتیں اخذ کر کے ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں اور سب سے آخر حصہ لطائف و ظرائف کا ہے جو ناظرین کی ضیافتِ طبع کا کام دے گا۔ اُمید ہے کہ میری یہ کوشش مقبول ہوگی۔

خاکسار

نظامی بدایونی

۱۷ جنوری ۱۹۲۲ء

مرزا غالب کی سرگزشت
خود اُن کے قلم سے

خاندان و نسب

میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں دادا میرا ماورالنہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا سلطنت ضعیف ہو گئی تھی صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اُس کے جو طوائف الملوکی کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر ہوا پھر حیدرآباد میں نواب نظام علی خاں کا ملازم ہوا وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصراللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا اس نے مجھے پالا ۱۸۰۶ء میں جب جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا چار سو سوار کا برگیڈیر ہوا ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر زبانی کی تھی کہ بمرگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی۔

پیدائش عالم دو ہیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ قاعدہ عالم ہے ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔

لڑکپن اور تعلیم میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا۔ مجھ کو مبداء فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔ عبدالصمد[1] محض ایک فرضی نام ہے چونکہ مجھکو لوگ بے استادا کہتے تھے اُن کا منھ بند کرنے کو ایک فرضی استاد گھڑ لیا ہے۔

حلیہ میرا قد درازی میں انگشت نما ہے۔ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اُس کی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جب کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ جب داڑھی مونچھ میں بال سفید آ گئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھکر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی مگر یہ بھی یاد رکھیے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی عام ہے۔ مُلّا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقّے۔ بھٹیارہ۔ جولاہہ۔ کنجڑا۔ منھ پر داڑھی رکھتا ہے سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی

---

[1] عبدالصمد ایک نو مسلم شخص تھا جس کا نام آتش پرستی کے زمانہ میں ہرمزد تھا اور وہ غالباً آگرہ میں بطور سیاح کے پہونچ گیا تھا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ مرزا نے اس سے کوئی باقاعدہ تعلیم نہ پائی ہو لیکن اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اور عبدالصمد ضرور ایک پارسی نژاد شخص تھا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مرزا جابجا اپنی تحریروں میں اس کے تلمذ پر فخر نہ کرتے مرزا کا یہ قول کہ میں نے لوگوں کا منھ بند کرنے کے لیے یہ فرضی نام گھڑ لیا ہے مزاح معلوم ہوتا ہے۔

رکھی اُسی دن سر منڈایا۔

مذہب

مسایل دیکھنا اور مسایل ... تناسخ میں غوطہ مارنا اور یہی اور عرفا کے کلام سے حقیقت حقہ وحدت وجود کو اپنے دل نشین کرنا اور یہی مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو نومسلموں کو ابوالائمہ کا ہمسر مانتے ہیں۔ دوزخ اُن لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوئے ہوں انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الاطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ العالمین ہیں مقطع نبوت کا مطلع امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے، اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے۔ ثم حسنؑ ثم حسینؑ اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام

ع

بریں زیستم ہم بریں بگزرم

ہاں اتنی بات اَور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا۔ بلکہ دوزخ کا ایندھن ہونگا اور دوزخ کی آنچ کو تیز کرونگا تاکہ مشرکین اور منکرین نبوت مصطفوی و امامت مرتضوی اس میں جلیں۔

مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج و تاسف ہوتا ہے۔

صوفی صافی ہوں اور حضرات صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں ع

گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

شاہ محمد اعظم صاحب خلیفہ تھے مولانا فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا۔

شادی و اولاد

تیرہ برس حوالات میں رہا[1] ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زنداں مقرر کیا مجھے اُس زنداں میں ڈال دیا مگر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا برسوں کے بعد اس جیلخانہ سے بھاگا۔ تین برس بلاد مشرقیہ میں پھرتا رہا پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسی مجلس میں بٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو[2] ہتھکڑیاں اور بڑھا دیں۔

کلکتہ کا سفر

میں کلکتہ[3] گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی دفتر دیکھا گیا میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی سات

---

[1] تیرہ برس کی عمر میں مرزا کی شادی مرزا الہٰی بخش خاں معروف کے یہاں ہوئی تھی حوالات سے مراد وہ زمانہ ہے جو عالم تجرید میں گزرا ۔

[2] ہتھکڑیوں سے مراد زین العابدین خاں عارف کے دو لڑکوں سے ہے جن کو مرزا نے اپنے حقیقی اولاد کی طرح پرورش کیا تھا مرزا کے اپنی اولاد زندہ نہ رہی سات بچے ہو کر مر گئے ۱۲

[3] دلی سے کلکتے جاتے ہوئے مرزا لکھنؤ بھی گئے تھے جس کا ایک قطعہ میں اس طرح ذکر کیا ہے

شعر
لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ✣ ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو
مقطع سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر ✣ عزم سیر نجف و طوف حرم ہے ہم کو

مرزا لکھتے ہیں:
"ہماناز زندگی برادر یک طرف و غوغائے دم خواہاں یک سو۔ آشوبے پدید آمد کہ نفس راہ لب با نگاہ روزن چشم فراموش کرد و گیتی بدیں روشنی روشنان در نظر تیرہ و تار شد با لیے از سخن و خستہ

پارچے اور جیغہ۔ سرپیچ۔ مالائے مروارید۔ یہ تین رقم خلعت ملا۔

دہلی سے رام پور
میں نے دلی کو چھوڑا رام پور چلا پنجشنبہ ۱۹ رجنوری ۱۸۶۰ء کو مرادنگر اور جمعہ ۲۰ رکو میرٹھ پہونچا شنبہ ۲۱ رکو بھائی مصطفی اخاں کے کہنے سے قیام کیا۔ شاہجہانپور۔ گڑھ مکٹیشر۔ مراد آباد ہوتا ہوا رامپور بھی گیا۔ رئیس کی طرف سے بطریق وکیل محکمہ کمشنری میں معین نہیں ہوں جس طرح امرا واسطے فقرا کے وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں اسی طرح اس سرکار سے میرے واسطے مقرر ہی۔ ہاں فقیر سے دعائے خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب ہی۔ چاہوں دلی رہوں، چاہوں اکبرآباد، چاہوں لوہارو۔ رام پور میرے واسطے دارالسرور ہی۔ جو لطف یہاں ہی وہ اور کہاں ہی پانی سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہی اور کوسی اس کا نام ہی بے شبہ چشمہ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہی خیر اگر یوں ہی تو آب حیات عمر بڑھاتا ہی لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔

شاعری و تصنیف
خاکسار نے ابتدائے سن تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہی پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چندے روزاسی روش پر خامہ فرسائی کی ہی نظم و نثر کا عاشق و مائل ہوں ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ اصفہانی کا گھایل ہوں۔ جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت بکا۔ ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے نثر کے۔ یہ پانچ نسخے مرتب ہوگئے اب اور

بقیہ صفحہ ماقبل۔ چشمے از خویش فرو بستہ جہاں جہاں شکستگی و عالم عالم خستگی با خود گرفتم واز بیداد روزگار نالاں و سینہ بدم تیغ ملال پر کلکتہ رسیدم"

کیا کھو نکلا۔ مدح کا صلہ نہ ملا۔ غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی

گیارھویں مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک کی روداد نثر میں بہ عبارت فارسی ناآمیختہ بعربی لکھی ہے اور وہ (۱۵) سطر کے مسطر سے چار جز کی کتاب آگرہ کے مطبع مفید الخلائق میں چھپی ہے۔ دستنبو اس کا نام رکھا ہے اور اس میں صرف اپنی سرگزشت اور اپنے مشاہدے کے بیان سے کام رکھا ہے۔

زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارت غریزی کا زوال ہے اور یہ حالت ہے ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب

اب عناصر میں اعتدال کہاں

عالم شباب

مغل بچے غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اس کو مار رکھتے ہیں میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے۔

میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر اور ایک حور میں اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے۔ اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ وہ حور اجیرن ہو جائے گی طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی وہ زمردین کاخ اور طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور

مالی حالت اور افلاس

نہ جزا نہ سزا۔ نہ نفرین نہ آفرین نہ عدل نہ ظلم نہ لطف نہ

تھے ۱۵ دن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی اب صرف روٹی ملے
جاتی ہی شراب نہیں۔ کپڑا ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہی اس کی کچھ فکر نہیں ہی۔ اس ناداری
کے زمانہ میں جس قدر کپڑا اوڑھنا بچھونا گھر میں تھا سب بیچ بیچ کر کھا لیا گویا اور لوگ روٹی
کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آگیا ہی رمضان کا مہینہ
روزہ کھا کھا کر کاٹا آئندہ خدا رزاق ہی کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہی بس جب ایک
چیز کھانے کو ہوئی اگرچہ غم ہی ہو تو غم کیا ہی۔

قید ہونے کا واقعہ

کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف۔ فتنہ گھات میں
تھا اور ستارہ گردش میں۔ باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم
ہی میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سشن جج
باوجودے کہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ برتتا
تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا اس نے بھی اغماض اور تغافل اختیار کیا۔ صدر
میں اپیل کیا گیا مگر کسی نے نہ سنا اور وہی حکم بحال رہا پھر معلوم نہیں کہ کیا باعث ہوا
کہ جب آدھی میعاد گزر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میری رپورٹ کی اور وہاں
سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجنے پر اس کی بہت تعریف
کی۔ سنا ہی کہ رحم دل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفریں کی اور میری خاکساری اور
آزادہ روی سے اس کو مطلع کیا۔ یہاں تک کہ اس نے خود بخود میری رہائی کی رپورٹ
بھیج دی اگرچہ میں ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا جو کچھ
گزرا اس کے ننگ سے آزاد اور جو کچھ گزرنے والا ہی اس پر راضی ہوں مگر آرزو کرنا
آئین عبودیت کے خلاف نہیں ہی۔ میری یہ آرزو ہی کہ اب دنیا میں نہ رہوں

اور اگر رہوں ہندوستان میں نہ رہوں روم ہو۔ مصر ہو ایران ہو۔ بغداد ہو۔ یہ بھی جانے دو خود کعبہ آزادوں کی جائے پناہ ہو اور آستانہ رحمۃ للعالمین دلدادوں کی تکیہ گاہ ہو۔ دیکھیے وہ وقت کب آئے گا کہ درماندگی کی قید سے جو اس گزری ہوئی قید سے زیادہ جان فرسا ہو نجات پاؤں اور بغیر اس کے کہ کوئی منزلِ مقصود قرار دوں سر بصحرا نکل جاؤں یہ ہو جو کچھ کہ مجھ پر گزرا ہو۔ یہ ہو جس کا میں آرزو مند ہوں ؎

رازدانا غمِ رسوائی جاوید بلا است | بہر آزار غم از قیدِ فرنگم نبود
جور اعدا رود از دل بہ رہائی لیکن | طعنِ احباب بکم از زخم خدنگم نبود

غدر اور اس کے بعد کے حالات

مئی ۱۸۵۷ء میں ملک نے یہ فتنہ اٹھایا۔ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو سپہردن چڑھے وہ فوج باغی میرٹھ سے دلی آئی تھی یا خود قہر الٰہی کا پردرپے نزول ہوا تھا بقدر خصوصیت دلی منازہر ورنہ سرتاسر قلمرو ہند میں فتنہ وبلا کا دروازہ باز ہو انا للہ وانا الیہ راجعون۔

غدر میں میرا گھر نہیں لٹا مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لٹتا بھائی ضیاء الدین خاں صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی و فارسی نظم ونثر کے مسودات مجھ سے لیکر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں۔ اسی ہنگامہ میں ایک روز کچھ گورے میرے مکان میں گھس آئے تھے مگر انھوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر کے اسباب کو بالکل نہیں چھیڑا۔ مگر مجھے اور میرے دونوں بچوں کو اور دو تین نوکروں کو مع چند ہمسایوں کے کرنیل براون کے روبرو جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر میں مقیم تھے لے گئے کرنیل براون نے بہت نرمی

اور انسانیت سے سارا حال پوچھا اور رخصت کر دیا ۱۸۵۸ء میں امن ہوا۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات پھر اُن کو مل گئے ہیں اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ دروازہ سے باہر نہ نکلو۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے وہ قاضی کے حوض پر کرایہ کے مکانات میں مع بال بچوں کے رہتے ہیں باہر جانے کا حکم اُن کو بھی نہیں۔ میرزا الٰہی بخش کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے انھوں نے زمین پکڑ لی ہے سلطانجی میں رہتے ہیں۔ دیکھیے یہ جبر اٹھ جائے یا خود اٹھ جائیں نواب مصطفیٰ خاں بہ میعاد سات برس کے قید ہو گئے تھے سو اُن کی تقصیر معاف ہوئی اور اُن کو رہائی ملی صرف رہائی کا حکم آیا ہے جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ میں ایک دوست کے مکان میں ٹھہرے ہیں میں بمجرد اس خبر کی استماع کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا اُن کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا دن اور تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں مگر ہفتہ کو گیا منگل کو آیا آج بدھ دوم فروری ہے مجھ کو آئے اٹھواں دن ہے۔

مسموع ہوا ہے کہ ایک محکمہ لاہور میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ جو رعیت کا مال کالوں نے لوٹا ہے البتہ اُس کا معاوضہ بحساب دہ یک سرکار سے ہوگا۔ یعنی ہزار روپے کے مانگنے والے کو سو روپے ملیں گے اور جو گوروں کے وقت کی غارت گری ہے وہ ہدر اور بحل ہے اس کا معاوضہ نہ ہوگا۔

جو احکام کہ دلی میں صادر ہوئے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں ان کا

مرافعہ کہیں نہیں اب یوں سمجھو لو کہ نہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے نہ املاک رکھتے تھے نہ پنشن رکھتے تھے۔

آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزاخانہ ہی ایک بنائے قدیم وضع مشہور ہی اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑتی پھرتی ہیں ایک ٹھنڈی سڑک اور ایک آہنی سڑک محل ان کا الگ الگ اس سے بڑھ کر بات ہی کہ گوروں کا بارگ بھی شہر میں بنے گا۔ قلعہ کے آگے جہاں لال ڈگی ہی ایک میدان نکالا جائے گا۔ محبوب کی دکانیں حلیبوں کے گھر فیل خانہ۔ باقی بیگم کے کوچے سے خاص بازار تک یہ سب میدان ہو جائے گا یوں سمجھ لو کہ اموں جان کے دروازہ سے قلعہ کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثار عمارت باقی نہ رہیں گے۔ جان نثار خاں کے چھتے کے مکان ڈھینے شروع ہو گئے ہیں ؎

بسکہ فعال ما یرید ہی آج ہر سلحشور انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہی آب انسان کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہی گھر بنا ہی نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنۂ خوں ہی ہر مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوہ سوزش داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے یارب   گیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

فیل خانہ ملک پھر لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گرا دیئے گئے۔ بلاقی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں۔ اہل قلم بچاتے ہیں پایان کار دیکھیے کیا ہو۔

گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا صاحب کمشنر بہادر دہلی نے سات جاگیرداروں میں سے جو تین بقیۃ السیف تھے ان کو حکم دیا۔ دربار عام سے سوا میرے کوئی باقی نہ تھا۔ یا چند مہاجن۔ مجھ کو حکم نہ پہونچا جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا کہ اب نہیں ہو سکتا جب یہ سرزمین مخیم خیام گورنری ہوئی میں اپنی عادت قدیم کے موافق خیمہ گاہ میں پہونچا مولوی اظہار حسین خان صاحب بہادر سے ملا چیف سکرٹر بہادر کو اطلاع کی۔ جواب آیا کہ فرصت نہیں میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں دوسرے دن پھر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو اس دن چلا آیا دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام کا لکھوا کر ان کو بھیجا مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص منظر محض ہے امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات فرمائی جائے تاکہ میری صفائی اور بے گناہی ثابت ہو یہاں کے مقامات پر جواب مرحمت ہو۔ اب فروری ۱۸۶۰ء میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں ہم تحقیقات نہ کریں گے بس یہ مقدمہ طے ہوا۔ دربار اور خلعت موقوف پنشن مسدود۔ وجہ لا معلوم لا موجود الا اللہ و لا موثر فی الوجود الا اللہ میں (گدائے مبرم) اس حکم پہ ممنوع نہ ہوا۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہونچے میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیج دیا۔ مع اس حکم

سے واپس آیا کہ اب یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو میں مایوس مطلق ہو کر بیٹھ رہا اور حکام شہر سے ملنا ترک کر دیا۔ فروری ۱۸۶۳ء میں نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب دلی آئے اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے ہیں تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا جگہ سے نہ ہلا کسی سے نہ ملا دربار ہوا۔ ہر ایک کامگار رہا۔ ۸ر فروری ۱۸۶۳ء کو آزادانہ منشی پھول سنگھ کے خیمہ میں چلا گیا اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹر بہادر کے پاس بھیجا۔ بلا لیا مجھ سے بے تکلف ملے۔ دوشنبہ ۲ر مارچ ۱۸۶۳ء کو سواد شہر مخیم خیام گورنری ہوا۔ آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خاں بہادر کے پاس گیا اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار اور خلعت بدستور بحال و برقرار ہے متحیرانہ میں نے پوچھا کہ حضرت کیونکر حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آکر تمہارے علاقہ کے سب کاغذ انگریزی و فارسی دیکھے اور باجلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خاں کا دربار نمبر۔ اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے ؎

کارسازِ ما بفکر کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

شنبہ ۳ر مارچ کو ۱۲ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے یہاں کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے۔

شراب و آم کا شوق	جب دو جرعے پی لیے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی۔ دل توانا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ چار بوتل شراب تین شیشے

گلاب[۱] کے توشہ خانہ میں موجود ہیں۔

ایک دن میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چراغ دودمان علم و یقین سید نصیر الدین آیا ایک کوڑا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ اُس کے سر پر ایک ٹوکرا اُس پر گھاس ہری بچھی ہیں نے کہا آہا سلطان العلماء مولانا سرفراز حسین دہلوی دو بارہ رسالہ[۲] بارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے کچھ اور ہے فیض عام نہیں لطف عام ہے یعنی شراب نہیں آم ہے خیر یہ عطیہ بھی بے خلل ہے بلکہ نعم البدل ہے ایک ایک سر بمہر گلاس سمجھا لکور[۳] سے بھرا مگر واہ کیسی حکمت سے بھرا ہوا ہے کہ ۶۵ گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے۔

سخت علالت میں بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا توقع زیست کی نہ رہی قولنج اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا آخر عصارہ ریوند اور ارنڈی کا تیل پیا اس وقت تو بچ گیا مگر قصہ قطع نہ ہوا۔ دس دن میں دو بار آدھی آدھی غذا کھائی گویا دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا پنا اور آلو بخارہ کا افشردہ اس پر مدار رہا۔

---

[۱] میرزا صاحب شراب و گلاب ملا کر پیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے اس فارسی شعر سے معلوم ہوتا ہے ؎

آسودہ باد خاطر غالب کہ خوئے اوست ٭ آمیختن بہ بادہ صافی گلاب را

[۲] رسالہ سے مراد شراب ہے ۱۲

[۳] خود مرزا نے اسی خط میں لکور کے معنی یوں سمجھائے ہیں۔ یہ ایک انگریزی شراب ہوتی ہے قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی جیسے قند کا قوام ۱۲

بڑھاپا اور آخری حالت

ستّرہ بہترہ اردو میں ترجمہ پیرِ خرف ہے میری بہتر برس کی عمر ہے۔ پس میں اخرف ہوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند معدوم ہو گیا۔ اب یہ حال ہے جو دوست آتے ہیں رسمی پرسشِ مزاج سے بڑھکر جو بات ہوتی ہے وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر۔ دوپہر کو گوشت کا پانی۔ سرِ شام تلے ہوئے چار کباب۔ سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب اسی قدر گلاب۔ خرف ہوں۔ پوچ ہوں۔ عاصی ہوں۔ فاسق ہوں۔ روسیاہ ہوں یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے۔

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آخری عمر کے خیالات دنیا سے بے دلی

میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہونچ کر آفتاب لبِ بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں کچھ یادِ خدا بھی چاہیے نظم و نثر کے قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا اگر اُس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام

---

[1] اپنی یہ حالت مرزا صاحب نے ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء کو انتقال سے ٹھیک دو سال قبل قلمبند کی تھی۔ میرزا صاحب کا انتقال ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو ہوا جو مطابق ہے ۱۲۸۵ھ کے لیکن اُنھوں نے اپنی موت کا اندازہ ۱۲۷۷ھ کا لگایا تھا اور مرنے سے برسوں پہلے اپنے انتقال کا یہ قطعہ تاریخ لکھ رکھا تھا۔

منکہ باشم کہ جاوداں باشم ٭ چوں نظیری نماند و طالب مرد

و نشان باقی اور قایم رہے گا ؎

غالب بقول حضرت حافظ فیض عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ور بگویند در کدامی سال ؛ مرد غالب بگو کہ غالب مرد

جب اس سنہ میں انتقال نہ ہوا تو کیا خوب فرمایا ”میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لایق نہ سمجھا واقعی اس میں میری کسر شان تھی“

مرزا غالب کے انمول نکتے

تمہید

انشا پردازوں کے خطوط۔ دیگر تحریریں۔ ان کے خیالات اور قابلیت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ میرزا غالب کے رقعات جو شاگردوں۔ عزیزوں۔ دوستوں کے نام ہیں اس میں روزمرہ کے معاملات کے علاوہ ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے میرزا کی نثر نگاری نے حکمت فلسفہ اور تصوف کا دریا بہا کر یہ دکھایا ہے کہ اردو زبان ہر قسم کے دقیق خیالات کو آسانی سے ادا کر سکتی ہے۔ اخلاقی علمی تاریخی مضامین کے بیان کرنے پر قادر ہے۔ شاگردوں کو شاعری اور نثر نگاری کے متعلق جو ہدایتیں فرمائی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اہل لکھنؤ الفاظ کی تحقیقات اور تذکیر و تانیث کی بحثوں پر مختلف رسالجات لکھتے رہے ہیں لیکن شعرائے دہلی نے اس طرف بہت کم توجہ کی ہے پھر بھی میرزا کے بیشمار خطوط میں عربی۔ فارسی۔ اردو۔ ہندی الفاظ پر جو ردو قدح کی گئی ہے وہ ایسی چیز نہ تھی کہ اسے جداگانہ صورت میں ادبی دنیا کے سامنے پیش نہ کیا جائے مرزا غالب کے اس ذخیرہ کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح دہلی کو اردو زبان کے مولد ہونے کا

فخر حاصل ہو اسی طرح وہاں ایک امام نے فن تحقیقات کے میدان کو جہاں کہ تحقیق زبان کو لٹریری ترقی کا بنا رستہ دکھایا ہے۔

نکات غالب اردوئے معلیٰ عود ہندی یعنی میرزا کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جن میں علمی نکات درج تھے یقین ہے کہ ہر ایک انشا پرداز ان کو پڑھکر فائدہ حاصل کرے گا اور مولف کی جانفشانی و محنت کی داد دے گا۔ اس میں نہ صرف شاعروں کی دلچسپی کا سامان ہے بلکہ بہت سے نکات روحانی۔ اخلاقی۔ علمی بھی ہیں جو اپنی اپنی جگہ سب کار آمد ہیں۔

نکتہ (۱) قبول دعا وقت طلوع منجملہ مضامین شعری جیسے کتاں کا پرتو ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے کچھ اثر ظاہر نہیں ہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کپڑے منگوائے چاندنی میں پھیلائے۔

نکتہ (۲) تحویل آفتاب بہ حمل ۲۲ مارچ کو واقع ہوئی ہے کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔

نکتہ (۳) علم نجوم کے قاعدہ کے موافق جب زمانہ کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں تب سطح فلک پر دُم دار شکلیں دکھائی دیتی ہیں جس بُرج میں یہ نظر آئیں اُس کا درجہ اور دقیقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کی چال ڈالتے ہیں تب ایک حکم نکالتے ہیں۔ شاہجہان آباد میں بعد غروب آفتاب افق غربی شہر پر نظر آتا تھا اور چونکہ ان دنوں میں آفتاب اوّل میزان میں تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے یہ صورتیں قہر الٰہی کی ہیں اور دلیلیں ملک کی تباہی کی۔

نکتہ (۴) بننے سے سیانا ہو دیوانا۔ صبر و تسلیم توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا ہی مجھ سے زیادہ اس کو کون سمجھے گا جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو کیا میں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں کی پرورش میں کرتا ہوں استغفر اللہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ۔

نکتہ (۵) ؎

خود شکوہ بلبل فع آزار بس است

آید بزبان ہر انچہ از دل برود

فقیر شکوہ سے بُرا نہیں مانتا مگر شکوہ کے فن کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا شکوہ کی خوبی یہ ہی کہ راہِ راست سے منھ نہ موڑے اور منھ زا دوسرے کے واسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے۔

نکتہ (۶) ترک لباس سے قید ہستی مٹ نہ جائے گی بغیر کھائے پیئے گزارہ نہ ہوگا سختی سستی۔ رنج و آرام کو ہموار کر دو جس طرح ہو اُسی صورت سے بہر صورت گزرنے دو۔

؎

تاب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہی اور جان عزیز

نکتہ (۷) ہرچند خرد مند تواریخ کی طرف بالطبع مائل ہوں گے لیکن قصہ کہانی کی دل بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل سے قایل ہوں گے کیا تواریخ میں ممتنع الوقوع حکایات نہیں نا انصافی کرتے ہو یہ کچھ بات نہیں سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے سیمرغ اُس کو اپنے گھونسلے میں اُٹھا لائے پرورش کر کے پہلوان بنائے۔ آداب حرب و ضرب سکھائے پھر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سے گھبرائے۔ زال اس اسم باسمی کو بلائے سیمرغ گردانہ تکلے کی طرح سیٹی کی آواز سنتے ہی چلا آئے اور اپنی بیٹ کی لیپ سے بابا کبھی دوا سے رستم کے زخم اچھے کر کے ایک تیر دو شاخہ دے کر تشریف لیجائے۔

رستم دس برس کی عمر میں مست ہاتھی کو ہلاک کرے جب چشم بد دور جوان ہو دیو سفید کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعوی خدائی مشہور ہے۔ شداد و نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ داستان طرازی من جملہ فنون سخن ہے۔ سچ ہے کہ دل بہلانے کے لیے اچھا فن ہے۔

نکتہ (۸) مراتب توحید چار ہیں۔ آثاری۔ افعالی۔ صفاتی۔ ذاتی۔ انبیائے پیشین صلوات اللہ علی نبینا علیہم۔ اعلان مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے۔ خاتم الانبیا کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اٹھا دیں اور حقیقت نیرنگی ذات کو صورت آلان کما کان میں دکھا دیں اب گنجینہ معرفت خواص امت محمدی کا سینہ ہے اور کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ رہے عامۂ مومنین کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود جو اصل مقصود ہے ان کی نظر میں نہیں جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے بعد محمد رسول اللہ کہیں گے۔ اس سے اسی توحید ذاتی کی قدم گاہ پر آ رہیں گے یعنی ہماری اس کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا یہی حقیقت ہے شفاعت محمدی کی اور یہی معنی ہیں رحمت للعلمین ہونے کے قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے مگر وحدت حقیقی کا رازداں ہے گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی سو بار کہے اور اور سو بار سنے۔

نکتہ (۹) الولایۃ افضل من النبوۃ معنی اس کے صاف اور از روئے انصاف یہ ہیں کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے نبوت خاص سے جس طرح نبی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے اسی طرح ولی مستنیر ہے انوار نبوت سے مستنیر کی تفضیل منیر پر اور مستفیض کی ترجیح مفیض پر ہرگز

معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں اب وہ ولایت کہ خاصہ نبی تھا نبوت کے
ساتھ منقطع ہوگئی مگر وہ فروغ کہ اخذ کیا گیا ہی مشکوٰۃ نبوت سے ہنوز باقی ہی نقل و
تحویل ہوتی چلی آئی ہی اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہی یہ سراج ابدی تا ظہور صبح
قیامت روشن رہے گا اور اب اسی کا نام ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہی۔ ولایت
و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہی کہ جو از روئے کلمہ لا الہ الا اللہ مشہود عیون عیان
امت اور منظور نظر اکابر ملت ہوتی ہی مگر وہ بات اب کہاں کہ ایک بار لا الہ الا اللہ
کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جائے۔ اور وہ ضامن زبردست کہاں کہ
قایل لا الہ اللہ کو اگرچہ اس کے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو قدم گاہ توحید پر قایم کر دے
یعنی رسول مقبول واجب التعظیم قایل انا احمد بلا میم علیہ التحیۃ والتسلیم اب سعادت بقدر ارادت
ہی اور راحت بعد جراحت۔ سچ بھی تو ہی آدمی کیونکر سمجھ سکے اور بطلان بدیہیات کے
جواز پر اس کو کیونکر تسلی ہو یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال
اسی میں ہیں نیست و نابود محض جان لے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے۔

رباعی

اے کردہ بہ آرایش گفتار بسیچ ۔۔۔ ورزلف سخن کشودہ راہ خم و پیچ
عالم کہ تو چیز دیگرش میدانی ۔۔۔ ذاتیست بسیط و منضبط دیگر ہیچ

نکتہ (۱۰) وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ ہو اور ہم اس کو بجبر یا بتکلف
ثابت کیا چاہتے ہوں ع

دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست

وہم صورت گری اور بیکر تراشی کر رہا ہی اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہی پس

جب وہ وہم شغل وذکر کی طرف مشغول ہوگیا نے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری پیکر تراشی سے معزول ہوگیا نے خبری ونے خودی چھاگئی اور وہ کیفیت جو موحدین کو بمجرد فہم حاصل ہوتی ہو شاغل کے نفس کو بیخودی میں آگئی۔ ایک دریا میں جان کر کودا۔ ایک کو کسی نے غافل کرکے ڈھکیل دیا۔ انجام دونوں کا ایک ہو۔ وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھے میں یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں مگر ہاں کم ہیں اور مخفی ہیں اور کہیں کہیں ہیں اور ایسے نفوس کو کہ جو حسب حالت نے خودی کے واسطے محتاج اشغال واذکار رہیں بہت ہیں بلکہ بے شمار ہیں۔

نکتہ (۱۱) اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو ہم اس صورت میں کیونکر کہیں کہ کیا ہوتا۔ اس لعبت دلفریب کی نظارگی سے بے بادہ مست ہوجاتے اور یہ پیکر ہوش رُبا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہوجاتے۔

نکتہ (۱۲) یہ صاحبان جو شرح لکھتے ہیں۔ کیا یہ سب ایزدی سروش ہیں اور ان کا کلام وحی ہو اپنے اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں یہ میں نہیں کہتا کہ ہر جگہ ان کا قیاس غلط ہو مگر یہ بھی کوئی نہیں کہ سکتا کہ جو کچھ یہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہو ؎

دیوان گری محبت تو کا هر وز مسلم است مارا
بیگانہ ز تاج کرد تارک آوارہ ز کفش کرد پارا

جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہو کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید نہیں ایسا ہی اگر کوئی کہے کہ منصب دیوانی سے یہ بات بعید ہو تو پھر شارح کیا جواب دیگا ہاں یہ کہے گا کہ غلبۂ محبت میں پاس وضع نہ رہا اور دیوانجی صاحب کچہری سے ننگے سر اور ننگے پانوں بھاگے۔ ہم نے مانا مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ دیوانگی کیوں نہ لکھیں کہ

دوسرے شعر کے معنی بے تکلف منطبق ہو جائیں اور توجیہات درمیان نہ آئیں
فقیر کے نزدیک "دیوانگی محبت تو" صحیح اور بے تکلف ہی اور (دیوانگی و محبت تو) غلط محض
اور دیوان گری محبت تو تکلف محض۔ دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں۔ غور کیجیے
عطف کا واو یہ چاہتا ہی کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا۔ اور پھر اسی حالت میں اس کو
محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج و کفش ہیجا کفی محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت
طاری ہوئی کیا بے مزہ توجیہ ہی۔ ہاں دیوانگی محبت یعنی وہ جنون جو فرطِ محبت میں
بہم پہنچا اُس نے اس احوال کو پہونچایا فقیر دیوانگی محبت کہے گا اور دیوانگی و محبت
کہنے کو منع کرے گا اور دیوان گری محبت کہنے کو نہ مانع آئے گا نہ منع کرے گا۔

نکتہ (۱۴) فارسی کی تحصیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہی۔ پھر تتبع کلام
اہل زبان لیکن نہ اشعار قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ ان کو موزونی طبع
کا نتیجہ کہیے اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی۔ اور نہ معنی نازک
ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال دبستان جانتے ہیں اور جو منصدی تحریر میں درج
کرتے ہیں وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودکی عنصری۔
خاقانی رشید۔ وطواط۔ اور اُن کے امثال و نظائر کا کلام بالاستیعاب دیکھا جائے
ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہونچے اور ذہن اعوجاج کی طرف نہ لے جائے۔
تب بات ہی۔

نکتہ (۱۵) رباعی کا ایک وزن معین ہی۔ عرب میں دستور نہ تھا سوائے عجم کے یہ بحر ہزج
میں سے نکالا ہی "مفعول مفاعلن فعولن" ہزج مسدس۔ اخرب مقبوض مقصور اس
وزن پر فعلن بڑھا دیا ہی۔ مفعول مفاعلن فعولن فعلن زحافات اس میں بعض کے نزدیک

اٹھارہ ہیں اور بعض کے نزدیک ۲۴ ہیں اور وہ سب جائز ہیں اور اس بحر کا نام بحر رباعی ہی۔ رباعی سوائے اس بحر کے اور کسی بحر میں نہیں کہی جاتی اور یہ جو مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں۔ اس راہ سے کہ مصرع چار ہیں کہو ورنہ رباعی نہیں ہی۔ نظم ہی۔ قدما ہر مصرع میں قافیہ رکھتے تھے۔

نکتہ (۱۵) ایطا دو طرح پر ہی خفی و جلی۔ اہل عروض نے خاک اڑائی ہی اور بات بنائی ہی ایطا وہ قافیہ ہی کہ دو حرف ایک صورت کے ہوں جیسے الف فاعل۔ بینا۔ گویا۔ شنوا اور ایسا ہی الف نون جمع کا مثل چراغاں۔ جواناں اور ایسا ہی الف نون فاعل مانند گریاں و خنداں ہیں یہ اگر مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہی اگر غزل یا قصیدے میں بطریق تکرار قافیہ آپڑے تو ایطائے خفی ہی۔

نکتہ (۱۶) میں فن تاریخ کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں۔ یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہی۔ کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہی۔ تاریخ میں ایک قاعدہ یہ بھی ہی کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہوتی ہی جیسا کہ یہ مصرع

در سال غزمی ہر آنکہ ماند بلند

انوری کے قصائد کو دیکھو دو چار جگہ ایسے الفاظ قصیدہ کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعداد سال مشاو سب کل آ گئے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں جو قصیدہ لکھا ہی اُس کا ایک شعر یہ ہی ـــ

خواستم از غالب آشفتہ سر

گفت مادہ طول و عرض ستیز

لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہو اور پھر قافیہ کے مناسب۔

نکتہ (۱۷) حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ فغانی ایک شیوہ خاص کا مبدع ہوا۔ خیال ہائے نازک و معنی بلند لایا۔ اس میں شیوہ کی تکمیل کی ظہوری۔ عرفی۔ نوعی نے۔ سبحان اللہ۔ قالب سخن میں جان پڑ گئی۔ اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔ رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں۔ خاقانی اس کے اقران۔ ظہوری اس کی امثال صائب اس کے نظائر ممتاز وغیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے بے شبہ فرماؤ گے یہ طرز ہی اور ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ یہ ان کی طرز چوتھی ہے مگر فارسی نہیں ہے۔ دارالضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے ٹکسال باہر ہے۔ داد۔ داد۔ انصاف انصاف ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار ٭ زیک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادہ بعضے حریفاں ٭ خمار چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار این قوم ٭ ورای شاعری چیزے دگر ہست

وہ چیز دگر پارسیوں کے حصہ میں آئی ہے۔ ہاں اُردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی علیہ الرحمۃ ؎

بدنام ہو گے جانے بھی دو امتحان کو ٭ رکھے گا تم سے کون عزیز اپنی جان کو
دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار ٭ خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قایم سے
قایم اور تجھ سے طلب، بوسہ کی کیونکر مانوں
ہو تو ناداں مگر اتنا بھی بد اموز نہیں

مومن خاں سے
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ٭ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ نشتر ہیں۔

نکتہ (۱۸) آج اُس نے جلاب، لیا دس دست آئے مواد خوب اخراج ہوا اس کی فارسی غیر فصیح یہ ہو کہ "امروز فلانے مسہل گرفت ده دست آمدند مواد خوب برآمدند" اور فصیح فارسی یوں ہوتی ہو کہ "امروز فلانے نگاه دارد سے مسہل آشامید تا شام ده بار نشست یا ده بار استراج رفت یا ده بار به بیت الخلا رفت۔ ماده فاسد چنانکہ باید اخراج یافت" معلوم رہے کہ لوطیوں کی منطق میں خصوصًا اور اہل پارس کے روزمرہ میں عمومًا (نشستن) استعارہ ہو ریدن کا۔

نکتہ (۱۹) حزیں سے
ز ترک تازی آں نازنیں سوار ہنوز
زسبزه میدمد انگشت زینہار ہنوز

حزیں کے اس مطلع میں ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہو۔ متتبع کے واسطے سند نہیں ہوسکتا۔ یہ غلط محض ہو۔ یہ سقم ہو۔ یہ عیب ہو اس کی کون پیروی کرے گا حزیں تو آدمی تھا اگر یہ مطلع جبریل کا ہو تو اُس کو سند نہ جانو اور اس کی پیروی نہ کرو۔

نکتہ (۲۰) خواجہ نصیر الدین طوسی آٹھ حرف کا زبان فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور ذال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔ الا کوئی لغت فارسی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس میں ذال نہ ہو

گذاشتن گزشتن و پذیرفتن سب ذ سے ہیں۔

نکتہ (۲۱) نوابی کا مجھ کو خطاب ہے "نجم الدولہ" اور اطراف و جوانب کے اُمرا مجھ کو نواب لکھتے ہیں بلکہ بعض انگریز بھی۔ چنانچہ صاحب کمشنر دہلی نے جو ان دنوں میں ایک روبکار بھیجی ہے تو لفافہ پر نواب اسد اللہ خاں لکھا لیکن یاد رہے نواب کے لفظ کے ساتھ میرزا یا میر نہیں لکھتے یہ خلاف دستور ہے یا نواب اسد اللہ خاں لکھو یا میرزا اسد اللہ خاں لکھو اور بہادر کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم۔

نکتہ (۲۲) مصرع "تا ہر چہ گفتنی از تو گر بشنود سے"

اکثر صاحب گفتنی کو بھی بیائے مجہول پڑھتے ہیں تاکہ جی گفتنست کے معنی پیدا ہوں۔ گفتنی بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے مجہول غلط ہے اور اگر وہاں شنیدے کہیے تو یہاں گفتے بیائے مجہول کہیے غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجیے۔ گفتنی بیائے مجہول میں خطاب حاضر مقدر رہتا ہے اور "تو" کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا نظائر اس کے فارسی میں بہت ہیں۔

نکتہ (۲۳) دعویٰ اور چیز ہے اور کمال اور ہے۔ علم عربی اور شعر اور فارسی کی حقیقت حال اور ہے۔ جلال اسیر طباطبائی نے شیدائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ایک دن مولانا عرفی اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بسر حد افراد پہونچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا اس کو کیا کرو گے جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے گھر کے بڑھوں سے جو بات سُنی فارسی میں سُنی شیخ گفت ما فارسی از انوری و خاقانی فرا گرفتہ ایم و شما از پیرزالان آموختہ اید عرفی فرمود انوری و خاقانی نیز از پیرزنان آموختہ باشد۔ ہندوستان کے سخن دروں

میں حضرت امیر خسرو دہلویؒ کے سوا کوئی اُستاد مسلم الثبوت نہیں ہوا خسرو۔ کیخسرو قلمرو سخن طرازی ہو باہم چشم نظامی گنجوی وہم طرح سعدی شیرازی ہو جیر فیضی بھی نغز گوئی میں مشہور ہو کلام اس کا پسندیدۂ جمہور ہو۔ ناصر علی بیدل غنیمت ان کی فارسی کیا ہر ایک کا کلام بہ نظر انصاف دیکھیے منت نکیں۔ واقف قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں خبیر ہوں، فاضل کہلائیں۔ کلام میں ان کے مزا کہاں۔ ایرانیوں کی سی ادا کہاں۔ فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہو اس میں پیروی قیاس ایک بلائے عام ہو۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہو اور ہر اعتراض بجا ہو با این ہمہ وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہو منھ کی کھاتا ہو۔ مولوی احسان اللہ ممتاز صاحب لفظی میں دستگاہ اچھی تھی اس شیوۂ روش کو خوب برت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں قاضی محمد صادق خاں اختر عالم ہوں گے۔ شاعری سے اُن کو کیا علاقہ۔

نکتہ (۲۴) | یائے تحتانی تین طرح پہ ہو:۔

ع ہمائے بر سر مرغاں ازاں شرف دارد

ع ای ہمہ نامۂ نام تو عقل گرہ کشائے را

یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یائے تحتانی ہو جزو کلمہ ہو اس پہ ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہو دوسرے یائے تحتانی مضاف ہو صرف اضافت کا کسرہ چاہیے ہمزہ وہاں بھی مخل ہو جیسے آسیائے چرخ جیسے آشنائے قدیم توصیفی اضافی بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو ہمزہ نہیں چاہیئے۔ فدائے تو شوم۔ رونمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہو تیسرے دو طرح پہ ہو یائے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسری طرح توحید و تنکیر وہ مجہول

ہوگی مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور توحیدی آشنائے
یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھوگے دانا نہ کہلاؤگے۔

نکتہ (۲۵) خستہ بستہ۔ تازہ غازہ۔ خانہ دانہ۔ آوارہ بیچارہ۔ روزہ بوزہ ہزار لفظ ہیں
کہ ان کے آگے جب یاے توحید آتی ہے تو اُس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے
زرہ گرہ۔ کلاہ شاہ۔ آگاہ۔ صبح گاہ۔ صبح گہ۔ ایسے الفاظ کے آگے اگر یاے تحتانی آتی
ہے تو زرہی گرہی۔ کلاہی۔ شاہی۔ آگاہی۔ آگہی۔ گاہے۔ گہے لکھ دیتے ہیں۔

نکتہ (۲۶) "تا ہر چہ گفتی از تو مکرر شنودمے" شارح کی رعایت سے کہ وہ بہ یاے مجہول
ہے بمعنی میشنیدم۔ اکثر صاحب گفتی کو بھی بہ یاے مجہول پڑھتے ہیں "تا کہ میگفت" کے
معنی پیدا ہوں۔ اس صورت میں خطاب سے بطرف غایب رجوع کرتے ہیں۔
اور گفتی یاے معروف سے صیغۂ واحد حاضر ہے۔

نکتہ (۲۷) اُردو میں انتظاری بمعنی انتظار غلط ہے۔ میں نے نہ آپ لکھا نہ اپنے شاگردوں
کو لکھنے دیا۔ اساتذہ مسلم الثبوت کے ہاں فارسی میں موجود ہے۔

نکتہ (۲۸) کاغد دال مہملہ سے ہے اس کا ذال سے لکھنا اور کواغذ کو اس کی جمع قرار دینا
تعریب ہے۔ نہ تحقیق اور رسم آتش بدال ابجد ہے نہ بذال ثخذ کوئی لفظ متحد المخرج فارسی میں
نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ ثے ہے طوے نہیں۔ سین ہے ثے نہیں۔ صاد نہیں۔
ہاے ہوز ہے ہاے حطی نہیں یہاں تک کہ قاف نہیں اس راہ سے کہ غین متحد المخرج
بلکہ قریب المخرج ہے زے کے ہوتے ذال کیونکر؟

نکتہ (۲۹) سے مراد اور نامراد میں فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ نامراد وہ ہے جس کی
کوئی مراد۔ کوئی خواہش بر نہ آئے۔ بے مراد وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو

از قسم شلے مدعا ہے غرض سے طالب جستہ لہٰذا ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے

نکتہ (۳۰) ناپروا۔ ناکام۔ نادرست۔ ناچار مخفف ناچارہ اور ناکارہ کہ مخفف ناکار ہے اور نامراد اور ناانصاف یہ سب درست ہیں۔

نکتہ (۳۱) چھاچھا۔ ترجمہ ہندی۔ ایک بار چھاکفایت کرتا ہے۔ بول چال میں ہے لیکن تحریر میں درست نہیں۔

نکتہ (۳۲) خطاب واحد غائب فقط شین ہے نہ اش، ہاں اگر آخر لفظ میں ہائے انتہائی حرکت پر ہو مثل غمزہ، چشمہ۔ خانہ، دانہ تو اس کو یوں لکھتے ہیں چشمہ اش غمزہ اش خانہ اش۔ دانہ اش اور باقی سب الفاظ کا حرف آخر شین سے مل جاتا ہے۔ خطاب واحد حاضر خطاب واحد غائب۔ خطاب متکلم۔ ت۔ ش۔ م۔ ہے الف کو یہاں کیا دخل

نکتہ (۳۳) سانس میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اگر کوئی مونث بولے تو میں منع نہیں کر سکتا خود سانس کو مونث نہ کہونگا۔ سیف کو ہ۔ وکش کہو اور کمند کو عا۔ و بند۔ سیف عدو بند نہیں ہو سکتی۔ تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو عا۔ و بند نہ کہو کوئی اور اگر کہے تو اس سے لڑو زلف کو شب رنگ اور شب گوں کہتے ہیں شب گیر زلف کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی شب گیر اس سفر کو کہتے ہیں کہ پچھلے گھڑی رات رہے چلدیں۔ نالۂ شب گیر آہ و زاری آخر شب کو کہتے ہیں۔ زلف شب گیر نہ مسموع نہ معقول۔

نکتہ (۳۴) سخن کا قافیہ بن بھی درست ہے اور تن بھی جائز ہے یعنی سخن کا دوسرا حرف مضموم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے۔

نکتہ (۳۵) وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ و جمشید و کیخسرو کے عہد میں مروج تھی اس میں بجز کجائے مضموم تو بہ تا ہر کو کہتے ہیں اور چونکہ پارسیوں کی دید و دانست میں آفتاب سے

زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہی اسی واسطے آفتاب کو خُر کہا اور شید کا لفظ بڑھا دیا شید بشین مکسور و یاے معروف بر وزن عید روشنی کو کہتے ہیں یعنی یہ اُس نور قاہر ایزدی کی روشنی ہی خُر اور شید یہ دونوں نام آفتاب کے ٹھہرے۔ جب عرب و عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ وہ منبع علوم ہوے واسطے دفع التباس خُر میں واؤ معدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا ہر آئنہ متاخرین نے اس قاعدے کو پسند کیا اور منظور کیا اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت مستحسن ہی فقیر خر جہاں بے اضافہ لفظ شید لکھتا ہی۔ موافق قانون عظماے عرب بواؤ معدولہ لکھتا ہی یعنی خور اور جہاں باضافہ لفظ شید لکھتا ہی وہاں بہ پیروی بزرگان پارس سر بسر لفظ خور کو بے واؤ لکھتا ہی یعنی خُرشید اور خور کا قافیہ دَر اور بَر کے ساتھ جائز اور روا ہی۔ خود میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا وہاں ہی بے واؤ کیوں لکھوں رہا خورشید چاہو بے واؤ لکھو چاہو مع الواؤ لکھو میں بے واؤ لکھتا ہوں مگر مع الواؤ کو غلط نہیں جانتا اور خُر کو بھی بے واؤ نہ لکھونگا قافیہ ہو یا نہ ہو یعنی نظم میں وسط شعر میں آپڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو۔ خور لکھونگا یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جس طرح خور ترجمہ نور قاہرہ کا ہی اسی طرح جم ترجمہ قادر کا ہی کہ باضافہ لفظ شید اسم شہنشاہ وقت قرار پایا ہی۔

نکتہ (۳۶) | عمل کار اہل کار۔ شیخ سعدی ؎

گرچہ عمل کارِ خردمند نیست

"جز بخردمند مفرما عمل" یعنی خدمت و اعمال سوائے علما اور عقلا کے اور کی تفویض نہ کر پھر دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمندوں کا کام نہیں اور عقل سے بعید ہی کہ آدمی اپنے کو خطرہ میں ڈالے عمل الگ ہی اور کار مضاف ہی بطرف خرد ورنہ دہائی خدا کی عمل کار۔ اہل کار کے معنی پر نہیں آتا۔

نکتہ (۳۷) مہرخاں کے دو معنی ہیں ایک تو خطاب جو سلاطین اُمرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں یعنی عرف۔

نکتہ (۳۸) "شاہین" کے معنی دریافت کیے جانے پر میرزا صاحب نے یہ لکھا کہ "عربی میں ایک باج کا نام ہے بصورت اس کی مجھے معلوم نہیں صراح میں بھی یہی معنے لکھے ہیں"

نکتہ (۳۹) ارنی کی رے کی حرکت و سکون کے باب میں میرزا صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے ارنی بروزن جہنی گنجائش پائے تو نعم الاتفاق ہے ورنہ قاعدہ تصرف مقتضی جواز ہے۔ میرزا عبدالقادر بیدل سے

چو نہی بطور تہمت ارنی بگو و بگریز

کہ نمیر زد ایں تمنا بجواب لن ترانی

خود فرماتے ہیں سے

رفت آنکہ ما ز حسن مدارا طلب کنیم

سر گشتہ دیکھنا ارنی گفتے طور بود

نکتہ (۴۰) میرزا صاحب نے پنشن کو مذکر لکھا ہے۔ عام طور پر مونث بولا جاتا ہے۔ آپ ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں "دلی فتح ہونے کے بعد میرا پنشن کھلا"

نکتہ (۴۱) اوپرے یہ گنوارو بولی ہے۔ وہ بہ تخفیف اردو ہے۔ کرانا یہ بیرونجات کی بولی ہے راسج یہ غلط ہے راجح صحیح ہے۔

نکتہ (۴۲) خُسر لغت فارسی نہیں سسرے کی تفریس سے خُسر پیدا ہوا ہو تو کیا عجب ہے یہ لغت عربی الاصل نہیں ہندی ہے۔

نکتہ (۱۴۴) ضمیران بروزن زرگران لغت عربی ہے نہ معرب۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ پھول ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں اس کی تحقیقات از روے لغات الادویہ ممکن ہے۔

نکتہ (۱۴۵) نظر شگفتن۔ گوش شگفتن۔ ہم نہیں جانتے اگرچہ مولانا نورالدین ظہوری نے لکھا ہے ؎

نظارہ راز حال دلم گل درآستین
خوش گو بگو کہ چشم چمن چکید

یہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن شگفتن گوش و نظر کی مانند غرابت رکھتا ہے یہ خون فشانی چشم کا استعارہ ہے اور خون فشانی صفت چشم ہو سکتی ہے مگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہے لازم اس کا استعارہ یہ شگفتگی کر لیتے۔ خوش ہونا جب صفت چشم و گوش نہ ہو تو ہم کیا کریں۔

نکتہ (۱۴۶) بیش بمعنی بیش از بیش۔ کم از کم یہ ترکیب بہت صحیح ہے یاد رہے کہ بیشتر از بیش کمتر از کم گو حسب معنی جائز ہے لیکن فصاحت اس میں کم ہے بیش از بیش کم از کم فصیح ہے تفتہ شاگرد غالب ؎

قیس از تو نہ ایم کم و لے صبر
بیش است ترا کم است مارا

پہلے مصرعے میں اگر کمتر ہوتا تو بہت اچھا تھا اتنا خیال رہے کہ ایسی جگہ تر کا لفظ افصح ہے چنانچہ میر خسرو ہے ؎

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم
حسن بالیں تابناکی آفتابے بیش نیست

نکتہ (۱۴۷) اہل فارس میں ناشستہ کا مفہوم نہار منہ ہے۔ عرفی کہتا ہے۔ مصرع

روح را ناشتہ فرستادی

یعنی غذائے صبح جیسا ہندی میں مشہور ہی کہ اس نے ناشتہ بھی کیا ہی یا نہیں؟
تلفظ (۳۳) صاحب برہان قاطع ہر لغت کو تینوں حرکتوں سے لکھتا ہی۔ زبر زیر پیش
کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا ہی۔ پھر لکھتا ہی یوں بھی آیا ہی اور یوں بھی دیکھا ہی جس لغت
کو کاف عربی سے لکھے گا۔ کاف فارسی سے بھی بیان کرے گا جس لفظ کو الف سے
لکھے گا آ سے بھی لکھے گا۔ فرشتہ سے بھی ضرور لکھے گا فضلائے کلکتہ کے حاشیہ
دیکھو وہ اس کی کیا تجہیل کرتے ہیں نیا نوشتہ کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔
ا ما من ا ما ی کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔ یعنی تجہیل کا مخفف نہ نیا اور ا مام کا
متعلق اگر مذکر ہی تو امامی اور اگر مونث ہی تو امامن [illegible] ہندی لغت [illegible] نے کسی کا
التزام کیا ہی۔ ۶

وقت آں آمد کہ بیمار گل ہندی سرکند

اور اساتذہ کو اس کا التزام منظور نہیں۔ گرگا تو نام ہی ایک گانو کا اسے کیونکر بدلیں
بلیں گر بہ رائے فرشتہ کہیں گے۔ لکھنؤ نام شہر کا وہ لکھنو بغیر ہائے مخلوطہ کہیں گے
فی زمانہ چھاپے کو چاپ بولتے ہیں۔ عرفی چھکڑ کو چکڑ بولتا ہی۔ ۶

آں باد کہ در ہند گرآید چکیں آید

لٹے ثقیلہ ہائے مخلوطہ۔ تشدید یہ تینوں ثقالتیں ہٹادیں۔ صاحب برہان قاطع
اس لفظ کو دربان [illegible] علی اہل ہند میں بھی اس کو مشترک جانتا ہی اپنے کو رسوا اور
خلق کو گمراہ کرتا ہی۔ ۵

ہر نہ شناسا بادہ جادہ شناساں بردار تو کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی
کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے۔ نظامی سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ ہو تو اس
کو ہم مانیں۔ ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں؟

نکتہ (۴۸) ارغنوں بغین مضموم غلط ہے۔ دراصل ارغنوں بغین مفتوح اور مخفف اس
کا ارغن اور مبدل منہ ارگن ہے۔

نکتہ (۴۹) فرقرہ۔ یہ لفظ فارسی ہے۔ مرادف جاہ کے۔ پس جاہ کو بغیر ترکیب دیے
ہوئے نہ لکھو۔ عالی جاہ۔ منظر فریدوں۔ فریدوں بھی درست ہے۔

نکتہ (۵۰) صاحب دو زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف۔ ایک
فارسی ایک عربی۔ ہر چند اس متعلق میں لغات ترکی بھی آ جاتے ہیں مگر کمترین
عربی کا عالم نہیں مگر نرا جاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا
محقق نہیں ہوں۔ علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طالب رہتا ہوں فارسی
میں مبداء فیاض سے مجھے دستگاہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط
میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جس طرح فصلاء میں جمہور اہل پارس میں
اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد
ہندوستان دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سو دو سو چار سو آٹھ سو برس
مجھ سے پہلے پیدا ہوئے۔

نکتہ (۵۱) جو لغت عربی ہے مجھ کو [illegible] اور صیغہ ہے صفت مشبہ کا بے تشدید
اس وزن پر [illegible] آیا تو میں اس کو [illegible] نہ لکھوں گا مگر
[illegible] فارسی [illegible] اور عربی کا عالم [illegible]۔

نکتہ (۵۲) زمان لفظ عربی از منہ جمع دونوں طرح فارسی میں مستعمل زمانے یک زماں
ہر زماں - زماں - دریں زماں - دراں زماں سب صحیح اور فصیح بلکہ اہل فارس نے
مثل موج موجہ یہاں بھی (ہ) بڑھاکر زمانہ استعمال کیا ہے - یک زماں کو میں نے
کبھی غلط نہ کہا ہوگا میرے ہم وطن یعنی ہندی لوگ جو وادی فارسی دانی میں قدم
مارتے ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دے کر ضوابط ایجاد کرتے ہیں جیسا عبد الواسع
ہانسوی لفظ نامراد کو غلط کہتا ہے قتیل صفوت کدہ. نشتر کدہ اور بہمہ عالم اور بہمہ جا کو غلط
کہتا ہے کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو یک زماں کو غلط کہونگا . فارسی کی میزان یعنی ترازو
میرے ہاتھ میں ہے -

نکتہ (۵۳) مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یعنی اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں . یہ جملہ سارا مقدر ہے میرا فارسی کا
دیوان جو دیکھے گا وہ جانے گا کہ جملے کے جملے مقدر چھوڑ جاتا ہوں مگر ع

ہرسخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

یہ فرق البتہ وجدانی ہے بیانی نہیں ؎

اگر دریافتی بردانشت بوس
دگر غافل شدی افسوس افسوس

نکتہ (۵۴) ع گردش چرخ استخواں سائیدہ
اہل ستم یہ تعبیر ہے ع
سودہ شد استخواں ز گردش چرخ

یہ اصلاح ہرگوپال تفتہ کو دی گئی ہے۔

نکتہ (۵۵) | عبدالواسع ہانسوی بے مراد کو صحیح نامراد کو غلط لکھتا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ
دونوں صحیح لیکن بے مراد غنی کو کہتے ہیں اور نامراد محتاج کو میرزا صائب ؎

نامرادی زندگی بر خویش آساں کردہ است
ترک جمعیت دلِ خود را بساماں کردہ است

اغنیا خواہ اہل توکل، خواہ اہل تمول، متوکلین پر کبھی کام آسان نہیں ہوتا بلکہ مفلسوں سے زیادہ ان پر مشکلیں ہیں۔ سب سے اہل توکل ان کی صفتیں اور ہیں وہ اہل اللہ ہیں مقربان بارگاہ کبریا ہیں۔ دنیا پہ پشت پا مارے ہوئے ہیں کام ان پر کب مشکل تھا کہ انھوں نے آسان کر دیا۔ نامراد صیغہ مفرد ہے بمساکین کی شرح ضرور نہیں سختی کشی اور بے نوائی۔ تہی دستی و گدائی یہ اوصاف ہیں مساکین کے ان صفات میں سے ایک صفت جس میں پائی جائے وہ مسکین وہ نامراد البتہ مساکین پر نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں نہ پاس ناموس و عزت نہ حب جاہ و حشمت نہ کسی کے مدعی نہ کسی کے مدعا علیہ دن رات میں دو بار روٹی ملی بہت خوش ایک بار ملی۔ بہرحال خوش۔ مساکین کی زندگی جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں آسان گزرتی ہے یا اغنیا کی۔ رہا مولوی معنوی علیہ الرحمہ کا یہ شعر ؎

عاقلاں از بے مرادی ہائے خویش
باخبر گشتند از مولائے خویش

میں نے مثنوی کے ایک نسخہ میں عاقلاں کی جگہ عاشقاں دیکھا ہے بہر صورت معنی یہ ہیں کہ عشاق یا عقلا لیں یا صفت شناقہ ہو گی اللہ سے اعراض کر کے نے مراد و بے مدعا

ہوگئے۔ یہ پایۂ تسلیم و رضا ہے البتہ اس رتبہ کے آدمی کو خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا ؏

با خبر گشتند از مولائے خویش

یہاں بھی بے مرادی سے نامرادی کے معنی لیے جاتے ہیں مگر یہاں ؏

بے مرادی مومناں از نیک و بد

دوسرا مصرع — تو بہ کلّی بے مرادی داشتی

ان دونوں مصرعوں میں نامرادی اور بے مرادی کے معنی میں خلط واقع ہوگیا ہے غیر بے مراد اور نامراد ایک نہیں ہر چند دوسرے مصرع مولوی میں بے مراد کے معنی بے حاجت کے درست ہوتے ہیں مگر ؏

من کہ نادم نبود من نیست بخشد

زیادہ تکرار کیوں کروں معہذا مصرعۂ اول کی کچھ توجیہ بھی نہیں کرسکتا۔ نامراد کی ترکیب کی صحت علی الرغم عبدالواسع ثابت ہوگئی تثبت الملک عاکمال یہ کہ ماننا چاہیے بیچارہ اور ناانصاف اور بے انصاف کے نامراد اور بے مراد کا بھی مورد استعمال مشترک ہا

نکتہ (۵۶) سہل ممتنع میں کسرۂ لام توصیفی ہے سہل موصوف اور ممتنع صفت اگرچہ بحسب ضرورت وزن کسرۂ لام مستفاد ہو سکتا ہے لیکن مخل فصاحت ہے اور لام موقوف تو خود سراسر قباحت ہے۔ سہل ممتنع اس نظم و نثر کے دیکھنے میں آسان نظر آئے اور اس کا جواب نہ ہوسکے بالجملہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہے اور بلاغت کی نہایت ہے ممتنع درحقیقت ممتنع النظیر ہے شیخ سعدی کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشید وطواط وغیرہ شعرائے سلف نظم میں اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔ خودستائی ہوتی ہے سخن فہم اگر غور کرے گا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائے گا ۔

ہی سہل ممتنع یہ کلام ادق مرا
برسوں پڑھے تو یاد رہے گا سبق مرا

یہ مصرع حیرت آور ہی کلام ادق سہل ممتنع کے منافی ہی پھر یاد نہ ہوگا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل ممتنع کی صفت نہیں ہوسکتی۔ کلام ادق جس کا حفظ شاید دشوار ہو شاید کوئی قسم اقسام کلام میں سے ہو ہاں کلام ادق کلام مغلق کو کہتے ہیں سو کلام مغلق اور کلام سہل ممتنع ضد یک دیگر ہی مغلق اور ادق سہل ممتنع مغلق کیونکر ہوسکے گا اور حافظہ میں محفوظ رہنا کلام مغلق اور ادق کی صفت کیونکر پڑے گی ہاں مغلق غیر الفہم پڑھا نہ جائے گا معنی سمجھ میں نہ آئینگے۔

نکتہ (۵۸) آب در بنا رسیدن بمعنی خراب بنیاد قیاسی ہی۔ اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا۔ اگر آیا ہی تو درست ہی ہاں بہ آب رسانیدن بنا کہ ظاہر آب در بنا رسیدن کا متعدی منہ ہی بلغا کے کلام میں آیا ہی لیکن اضداد میں سے ہی ہم بمعنی ویرانی بنا مستعمل اور ہم بمعنی استحکام بنا اگر اس کا لازمی ڈھونڈیے تو رسیدن بنا بہ آب ہی نہ رسیدن آب در بنا جیسا کہ نعمت خان عالی کہتا ہی ؎

نیست محکم گر رسد بنیاد دنیا تا بآب
چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد میدانیم ما

اس سے معلوم ہوتا ہی کہ رسیدن بنا تا بآب موجب استحکام ہی اور شاعر باوجود قبول استحکام بنا کو نا استوار جانتا ہی۔ صائب کہتا ہی ؎

چگونہ شمع ز رشکت فروغ نگدازد
[illegible] تو [illegible] آئینہ را آب سازد

حاجی محمد جان قدسی ؎

بگویش عطایش رساند این خطاب

کہ بنیاد کاں را رساند آب

یہ دونوں شعر مفید معنی ویرانی ہیں قصہ مختصر تا آب رسید بنا خرابی خانہ و
تا آب رساندن متعدی آں در رسیدن آب در بنا۔

نکتہ (۵۸) | جفا کے مونث ہونے میں اہل دہلی و اہل لکھنؤ دونوں کو باہم اتفاق ہے
کبھی کوئی نہ کہے گا کہ جفا مذکر ہے۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ ہنسی آیا اگر جفا کو
مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم ظلم۔ بیداد۔ اور جفا مونث ہے بے شبہ و شک۔

نکتہ (۵۹) | سرشار پیالے کی صفت معنی لفظی اس کے لبریز ہیں شراب کو لبریز کیونکر
کہیں گے اور یہ جو اردو میں دوست و سرشار بمعنی مست و بے خود مستعمل ہیں آتے ہیں اور جداگانہ
ہے فارسی میں تتبع اردو کا ناجائز ہے۔

نکتہ (۶۰) | رند عالم سوز شعرائے عجم میں یعنی رند بے نام و ننگ آیا ہے جیسا کہ
استاد کہتا ہے ؎

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

نکتہ (۶۱) | ؎

ہیں اپنے گھر منزل امید
ایمان کہاں تک ہے ثابت قدم ہے

اس شعر میں قصداً کہا ہے کہ ایمان تا قیامت ہو مطلب تو یہ ہے کہ صرف صحت اصل
ایمان نہیں رہا کا بلکہ شمول حاسد ... [illegible]

نکتہ (۶۲) مولوی عبدالرزاق شاکر کو میرزا صاحب اپنے ایک مطلع کا مطلب ان الفاظ میں سمجھاتے ہیں ؏

اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے — یہ خبر ہے

ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے — یہ مبتدا ہے

شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا ہے ظلمتِ غلیظ سحر کا پیدا گویا مطلق ہی نہیں ہوتی ہے۔ ہاں دلیلِ صبح کی بود پر ہے۔ یعنی بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیلِ صبح ٹھہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ اسبابِ تاریکی کے۔ پس دیکھا چاہیے جس گھر میں علامتِ صبح موجبِ ظلمت ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

نکتہ (۶۳) متقابل ہے مقابل میرا

رُک گیا دیکھ روانی میری

تقابل و تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت۔ شادی و غم۔ راحت و رنج وجود و عدم لفظ مقابل اس مصرع میں بمعنی مرجع ہے جیسے حریف کہ بمعنی دوست بھی مستعمل ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روے خو و عادت ضد ہم دگر ہیں وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رُک گیا۔

نکتہ (۶۴) عبدالرزاق شاکر ؎

کوئی آتا نہیں آگے ترے ہنستا ہو کر

آئنہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

مطلع دل نشین ہے مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہیے؟ ؎

مردم چشم سیہ جب نظر آتا ہی ترا
بیٹھ جاتا ہی مرے دل میں سویدا ہو کر

مردم۔ آنکھ کی پتلی مذکر نہیں معشوق کی قید کیا ضرور دعوے حسن پرستی رہے عموماً یہ خوب ہی ع

نظر آتی ہی جہاں مردمک چشم سیاہ الخ

۵ حرمت مے کے لیے پیر مغاں کا ہی یہ حکم
ریش قاضی کی رہے پنبۂ مینا ہو کر

یہ شعر بے لطف ہو گیا کس واسطے کہ جب قاضی کی ریش کہی تو وہ ایہام قاضی کہاں رہا۔

نکتہ (۱۰۵) سیلاب جی ایک لفظ ہی ہندیان فارسی واں کا اصل لغت چلپی اور یہ لغت ترکی ہی۔

نکتہ (۱۰۶) زمانہ حاضرہ میں استعارات کی وبائے عام ہی "ترقی کی موج" "تمدن کا ستارہ" اور خدا جانے کیا کیا جدت طرازیاں ہو رہی ہیں۔ میرزا صاحب اس قسم کے استعارات کو ناجائز بتاتے ہیں اور ان کی منطق کے بموجب بحر ترقی کی موج سپہر تمدن کا ستارہ درست ہو سکتا ہی چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "در حباب آسماں جیب تک آسمان کو بحر یا دریا نہ کہیں حباب آسماں نہ قبول ہی نہ مسموع"

نکتہ (۱۰۷) طرح بسکون رائے قرشت بمعنی قریب ہی لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں وہ دوسرا لفظ ہی طرح بحرکت رائے قرشت بر وزن فرح اس کو بسکون رائے مہملہ بولنا عوام کا منطق ہی۔ ہاں غزل طرح کی۔ زمین طرح کی یہ بسکون۔ اور جیسی روش و

طرز وہ طرح ہے تحقیق

نکتہ (۷۵) نیم گناہ۔ نیم نگاہ۔ نیم ناز یہ روزمرہ اہل زبان ہے یعنی اندک ورنہ گناہ کا آدھا نگاہ کی ادھوری اور ناز آدھا یہ مہملات میں ہے۔

نکتہ (۷۶) لفظ بے پیر تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا میرزا جلال اسیر اور ان کا کلام مستند ہے میری کیا مجال ہے کہ ان کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیرزادہ ایران ایسا لفظ لکھے۔ بے پیر ایک لفظ ٹکسال باہر ہے ورنہ صاحب زبان ہونے میں اسیر بھی ظہوری سے کم نہیں

نکتہ (۷۷) تمیدن بھی صحیح ہے تمیدن کشائش صحیح ہے اس میں کس کو تردد ہے مگر لغت اور محاورہ اصطلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا ہندوستان کے یا تو نی لوگوں کو تم و چم بولتے سنا ہے۔ آج تک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا۔ لفظ پیارا مجھ کو کیا اچھا ہے مگر کیا کروں جو اپنے پیشروں سے نہ سنا ہو اس کو کیونکر صحیح جانوں۔ تمید صیغہ ماضی کا چھیتہ سے اور تمیدن ایک مصدر ہے صحیح اور مستعمل چپد مضارع۔ چم امر اس نے کیا گفتگو ہے کلام تم و چم میں ہے

نکتہ (۷۸) چھنی لفظ غریب ہے نہ اہل دہلی کے زبان زد نہ گوش زد غربال کو چھلنی کہتے ہیں جس کی فارسی پرویزنا ہے جس کپڑے میں سائرات کو چھانیں فارسی اس کی لاستہ پالا اور اردو اس کی صافی ہے۔

سلہ سائرات جمع سائر بہنے والی چیزیں

نکتہ (۶۹) | لب ساحل کی سند میں طالب آملی لکھتا ہے ؎

مدتے آں نواسے خویش دل

بود تنہا لالب ساحل

لبِ بام۔لبِ گور۔لبِ چاہ۔لبِ دریا۔لبِ ساحل بمعنی کنارہ کے بھی مستعمل ہے
اہل ایران لبِ بام اُس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم آگے بڑھائے تو دھم
سے انگنائی میں آ رہے۔پس لبِ دریا سے سمجھیے جہاں سے قدم بڑھائے تو پانی
میں جا رہے۔لبِ ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے بڑھے تو دریا میں گرے۔لبِ دریا
سے پاؤں پانی پر رکھا جاتا ہے جیسا نہانے کے واسطے اور لبِ ساحل سے دریا میں کودتے
ہیں جس طرح سلطانجی کی باؤلی میں لبِ بام سے تیراک کودتے ہیں۔اسی طرح تیراک
جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے وہاں کراڑے کے کنارے پر سے کودتے ہیں
کراڑ ساحل اور کراڑے کا کنارہ لبِ ساحل۔

نکتہ (۷۰) | سخن از ردی مثل کیا ہے؟ چشمہ ہے۔ندی ہے۔سیل ہے دریا ہے کیسے زور کا پانی
اس کا چڑھاؤ۔اس کی رفتار۔اس پر کس کا زور کس کا اختیار جدھر منہ کیا اُدھر ایک
نالہ بہا دیا۔دریا کی لہر کیا گھوڑے کی باگ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہو وہاں اہل خرد
کو اُٹھا لینا چاہیے۔سخن ایک معشوقہ پری پیکر ہے تقطیع شعر اس کا لباس اور مضامین
اُس کا زیور ہے۔

نکتہ (۷۱) | غربیلہ کی ہندی نخرہ ہے۔فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔

نکتہ (۷۲) | تن تن اور تن تنا اصوات ہیں تار کے۔ہندی و فارسی میں مشترک۔

نکتہ (۷۳) | میرزا صاحب کی طرز اصلاح یہ تھی کہ وہ ایک لفظ شعر سے ہٹا کر دوسرا

لفظ اس کی جگہ رکھ کر قالب سخن میں جان ڈالتے تھے۔ نواب مردان علی خاں رعنا کا یہ شعر تھا ؎

گزرا ہی مرا نالۂ دیر چرخ کہن سے
تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

نالہ دیر کے بجائے "نالۂ دل"، بنایا یعنی ع

گزرا ہی مرا نالۂ دل چرخ کہن سے

نکتہ (۷۶) ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہی۔ میرزا صاحب نے یہ جواب دیا کہ برہان قاطع قاطع برہان کی نمط ہی۔ برہان قاطع نے کیا لٹھا بنیوں نین سکھ قطع کیا ہی جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہی۔ برہان جب تک کسی غیر کے برہان کو قطع نہ کرے کیونکر برہان قاطع نام پائے گی۔ برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کی جائے وہ قاطع برہان کی صحت کے کام آئے گی۔

نکتہ (۷۷) ع ہر دم آزردگی غیر سبب را چہ علاج

یہ غزل حافظ کی مشہور ہی۔ میرزا صاحب لکھتے ہیں "غیر سبب" یہ کہاں کی بولی ہی۔ اسی طرح یہ مصرع

از خواندن قرآں تو قاری چہ فائدہ

عیاذاً باللہ حضرت امیر خسرو "قرآں" کو جو بسکون راے قرشت و الف ممدودہ ہی قرآں بروزن پراں لکھینگے۔ یہ دونوں غزلیں دو گدھوں کی ہیں جن میں ایک نے حافظ اور دوسرے نے امیر خسرو لکھ دیا ہو۔

نکتہ (۷۸) میرزا صاحب کا مصرع ہی ع

یا انگلشیاں ستیزہ بیجا

طرفداران برہان قاطع کا یہ اعتراض ہے کہ انگلش کا نون تلفظ میں نہیں آتا میرزا صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ انگلش اور انگریزی کا نون باعلان کہاں ہے اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون وحرکت کو بدل ڈالتے ہیں اگر انگلش کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ کیا۔

نکتہ (۷۹) نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں صاحب شفق کا یہ مصرع تھا ؎

ای مطرب جادو فن یا زم رہ ہوشم زن

میرزا صاحب نے اس کی بابت یہ لکھا کہ دو میم آپڑے ہیں اور ایک میم محض بیکار ہے۔ دیگر کی جگہ آپ یازم لکھ گئے ہیں ؎

"ای مطرب جادو فن دیگر رہ ہوشم زن" صحیح ہے۔

نکتہ (۸۰) واقف ؎

نہ محرم قفس نہ بدام آشنا شدیم
نفریں کنیم ساعت پرواز خویش را

یہ ہندی کی فارسی ہے بُری گھڑی بھی گھڑی اہل زبان ایسے موقع پر طالع کہتے ہیں

نفریں کنیم طالع پرواز خویش را

میرزا غالب کے لطائف و ظرائف

تمہید

ظرافت، مزاح، خوش طبعی، قوموں کی زندہ دلی میں شامل ہے۔ زمانۂ حال کی سائنس نے بے ساختہ لبوں پر آ جانے والی ہنسی کو تندرستی کی علامت قرار دیا ہے۔ مشرق اور مغرب کی ادبیات میں جو لطائف کا بیش بہا خزانہ ہے اُس کو ترقی یافتہ زبانیں صدیوں سے محفوظ رکھتی ہوئی چلی آئی ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں ظریف نہ ہوں۔ یورپ کی مہذب سوسائٹیوں میں ظرافت کی دیوی کا قدم پوجا جاتا ہے۔ مشہور نمایشوں میں سب سے زیادہ ہنسنے والوں کو انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ مذاق، دل لگی، ٹھٹھول نے ہر گروہ میں دخل پاکر انسانی حیات کے پیچیدہ مسائل کو آسان کر دکھایا ہے۔

جن لوگوں نے شہرت اور ناموری کی تاریخ میں جگہ پائی ہے وہ دیگر کمالات کے ساتھ ظرافت کی پوٹ بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ ادھر ان کے منہ سے کوئی بات نکلی ادھر محفلیں گرما اٹھیں۔ دماغوں کی روشنی میں قابل قدر اضافہ ہو گیا۔ ذہن کی رسائی اور فکر کی بلندی میں چار چاند لگ گئے۔ اگر ہم ظرافت کو علم یا فن تصور کریں تو اس کی ہزاروں

قسمیں ہوسکتی ہیں۔ کوئی جماعت۔ کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جس میں یہ عنصر اپنا کام نہ کرتا ہو مگر زمانہ کے ساتھ اقوام کا مذاق بھی بدلتا رہتا ہے۔ مشرق میں ابھی ایسے لطیفے زندہ ہیں جن کی عمر حضرت مسیح سے بھی نکلتی ہوئی ہے۔ رہے زمانۂ وسطے کے لطائف انھیں چند فرضی ناموں سے منسوب کیا جاتا ہے دورِ حاضرہ میں خواجہ ناصرالدین اور بہلول کی فرضی کہانیوں۔ مُلّا دوپیازہ۔ بیربر۔ شیخ چلی کے مصنوعی چٹکلوں سے ہماری زبان اور انشا پردازی کو وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو مشاہیر کی حاضر جوابی سے ہو سکتے ہیں۔

اُنیسویں صدی میں میرزا غالب مرحوم دہلوی نہ صرف نازک سنج اور جادو بیان شاعر تھے بلکہ علم محاضرات کے زبردست پروفیسر تھے جن کی حاضر ظرافت ہر عہد میں تازہ رہ کر مردہ دلوں کو شگفتہ رکھ سکتی ہے میں نے اس کتاب میں میرزا صاحب کے مشہور لطیفوں کے سوا ان کو بھی نہایت محنت اور کمال جاں فشانی سے قلم بند کیا ہے جو دیگر اُردو تذکروں میں نہ ملیں گے۔ ہندوستان کے مشہور ادیب خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ "جو کچھ میرزا صاحب کی زبان سے نکلتا تھا وہ لطافت سے خالی نہیں۔ ظرافت مزاج میں اس قدر تھی کہ اگر اُن کو بجائے حیوان ناطق کے حیوان ظریف کہا جائے تو بجا ہے" ایک زندہ دل انسان کی بذلہ سنجیوں کو علم دوست حضرات کی میز تک پہنچانا غالباً موجودہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دلچسپی میں ضرور اضافہ کا باعث ہوگا۔ فقط

لطائف

(۱) ایک زمانے میں دلّی کے سخنوران باکمال لفظ رتھ پر لمبے چوڑے مباحثے کر رہے تھے کچھ لوگ رتھ کو مذکر بتاتے تھے۔ کچھ مونث کہے جانے پر زور دیتے تھے جب یہ مسئلہ میرزا صاحب کی جناب میں پہونچا تو انھوں نے مزاحاً یہ فیصلہ کیا کہ رتھ میں عورتیں بیٹھیں تو مونث کہو اور مرد بیٹھیں تو اس کو مذکر سمجھو

(۲) اہل دہلی جس موقع پر "اپنے تئیں" کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی موقع پر اہل لکھنؤ "آپ کو" بولتے ہیں۔ دونوں شہروں کی فطرتی رقابت اور اختلاف بیان مشہور ہے میرزا صاحب جب لکھنؤ تشریف لے گئے تو کسی صاحب نے ان دونوں لفظوں کو پیش کرتے ہوئے ان کی آزادانہ رائے دریافت کی میرزا صاحب نے فرمایا کہ "اپنے تئیں" کے مقابلہ میں "آپ کو" ضرور فصیح ہے مگر اس میں دقت یہ ہے کہ مثلاً آپ میری نسبت یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ہوں اور میں اس کے جواب میں اپنی نسبت یہ عرض کروں کہ میں تو آپ کو کُتّے سے بدتر سمجھتا ہوں تو سخت مشکل واقع ہوگی میں تو اپنی نسبت کہونگا اور آپ ممکن ہے کہ اپنی نسبت سمجھ جائیں۔ حاضرین یہ لطیفہ سن کر ہنس پڑے۔

(۳) میرزا صاحب کسی کوتوال کی جھوٹی رپورٹوں سے قید ہو گئے تھے قید سے رہائی ہو جانے کے بعد آپ میاں کالے صاحب کے مکان میں رہنے لگے ایک روز میاں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ میرزا نے کہا کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے۔ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں۔

---

(۴) نواب یوسف علی خاں والی رام پور کا انتقال ہو جانے پر میرزا تعزیت کے لیے ریاست میں تشریف لے گئے تھے۔ جب نواب کلب علی خاں لفٹننٹ گورنر سے ملنے کو بریلی آئے تو ان کی ہمراہی میں میرزا صاحب بھی تھے جو دہلی کو تشریف لئے جا رہے تھے چلتے وقت نواب صاحب نے کہا "خدا کے سپرد" میرزا نے کہا حضرت خدا نے تو مجھے آپ کی سپرد کیا ہے اور آپ پھر اُلٹا مجھ کو خدا کی سپرد کرتے ہیں۔

---

(۵) مولوی امین الدین نے "قاطع برہان" کے جواب میں ایک رسالہ "قاطع القاطع" کے نام سے لکھا ہے۔ جو فحش الفاظ سے بھرپور ہے۔ تہذیب سے گرا ہوا ہے کسی نے کہا کہ حضرت آپ نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ میرزا نے کہا کہ اگر کوئی گدھا تمہارے لات مارے تو تم بھی اُس کے لات مارو گے۔

لفظ "فراز" کو تمام فرہنگ نگاروں نے اضداد میں شمار کیا ہے اور اس کے معنی

بند کرنے اور کھولنے کے بتاتے ہیں مگر میرزا اس کو اضداد میں نہیں گنتے۔ اور اس کی بابت یہ لکھتے ہیں کہ اس کو امر اجماعی قرار دینا ویسا ہی اجماع ہے جیسا کہ اہل شام نے خلافت یزید پر کیا تھا۔

میرزا صاحب اخیر عمر میں اشعار کی اصلاح دینے سے گھبراتے تھے لیکن پھر بھی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح واپس نہ کرتے تھے ایک صاحب کو لکھا ہے کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو بسبب کبر سن ہونے کے خدا نے فرض اور پیغمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست بھی خدمت اصلاح اشعار سے معاف کریں۔

ایک دفعہ جب رمضان ختم ہو چکا تو آپ قلعہ میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا میرزا تم نے کتنے روزے رکھے۔ نہایت سادگی سے کہا کہ پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔

ایک دن میرزا نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے ملنے کو تشریف لے گئے مکان کے اندر ایک چھتّا تھا جو نہایت تاریک تھا جب چھتے سے گزر کر دیوانخانے کے دروازے پر پہونچے تو وہاں تو نواب صاحب ان کے لینے کو کھڑے تھے میرزا نے اُن کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا

کہ آب چشمۂ حیواں درون تاریکی ست

جب دیوان خانے میں پہونچے تو دالان میں مشرق رو یہ ہونے کے سبب سے دھوپ پھیلی ہوئی تھی میرزا نے فوراً یہ مصرع پڑھا

این خانہ تمام آفتاب است

شیخ ابراہیم ذوق دہلوی میرزا کے ہمعصر تھے اور ان دونوں میں ہمیشہ چوٹیں رہتی تھیں۔ میرزا کسی مجمع میں میر تقی کی تعریف کر رہے تھے وہاں ذوق بھی موجود تھے۔ انھوں نے سودا کے پایۂ شاعری کو میر سے اونچا بتایا۔ میرزا نے کہا میں تو میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں۔

میرزا جس مکان کے کمرے میں دن بھر بیٹھتے تھے وہ چھت پر تھا اور اس کے ایک طرف تنگ و تاریک کوٹھری واقع تھی اس کا در نہایت چھوٹا تھا جو اپنا سر جھکاتا تھا وہ اس میں داخل ہو سکتا تھا اس کے اندر صاف ستھرا فرش بچھا رہتا تھا۔ میرزا گرمی اور لو کے موسم میں دس بجے سے تین چار بجے تک وہیں بیٹھتے تھے ایک دن جبکہ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا موسم تھا مولانا آزردہ ٹھیک دوپہر کے وقت میرزا سے ملنے کو چلے آئے اس وقت میرزا صاحب اسی کوٹھری میں کسی دوست کے ساتھ چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہونچے اور میرزا کو رمضان کے مہینے میں چوسر کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے۔ ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے مگر آج اس حدیث کی صحت میں تردد پیدا ہو گیا۔ میرزا نے کہا قبلہ حدیث بالکل

صحیح ہے آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے یہی کوٹھری ہے۔

ایک روز دوپہر کا کھانا آیا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ برتن بھانڈے کی کمی نہ تھی مگر کھانا بہت تھوڑا تھا۔ میرزا نے مسکرا کر کہا کہ "اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجیے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو بایزید کا"۔

برسات کا خوشگوار موسم تھا ننھی ننھی بوندیاں پڑ رہی تھیں امریوں میں جھولے پڑے ہوئے تھے بہادر شاہ اور ان کے مصاحب جن میں میرزا بھی شامل تھے قدرتی فضا کی سیر میں مشغول تھے آم کے گھنے درخت طرح طرح کے آموں سے لدے تھے میرزا کی نگاہیں آموں سے لڑ رہی تھیں۔ بادشاہ نے پوچھا میرزا اس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہو ہاتھ باندھ کر عرض کیا پیرومرشد یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

بر سر ہر دانہ بنوشتہ عیاں
کایں فلاں ابن فلاں ابن فلاں

اس کو دیکھتا ہوں کہ کسی پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں بادشاہ مسکرائے اور اسی روز ایک بہنگی آموں کی میرزا کو بھجوا دی۔

حکیم رضی الدین خاں جو میرزا کے نہایت دوست تھے اُن کو آم نہیں بھاتے تھے ایک دن وہ میرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے میرزا بھی

وہیں آموجود ہوئے۔ ایک گدھے والا اپنے گدھے لیے ہوئے اس گلی میں گزرا آم کے چھلکے پڑے تھے گدھے نے اُن کو سونگھ کر چھوڑ دیا۔ حکیم صاحب نے کہا دیکھیے آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔ میرزا نے کہا بے شک گدھا نہیں کھاتا۔

میرزا کی نیت کبھی آموں سے سیر نہ ہوتی تھی۔ اہل شہر تحفے کے طور پر بھیجتے تھے۔ خود بازار سے منگواتے تھے۔ باہر سے دور دور کا آم آتا تھا مگر حضرت کا جی نہیں بھرتا تھا۔ ایک صحبت میں مولانا فضل حق میرزا اور دیگر احباب جمع تھے ہر شخص آم کی نسبت اپنی اپنی رائے بیان کر رہا تھا کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہییں۔ جب سب لوگ اپنی اپنی کہہ چکے تو مولانا فضل حق نے میرزا صاحب سے کہا کہ تم بھی اپنی رائے بیان کرو۔ میرزا صاحب نے کہا کہ بھئی میرے نزدیک تو آم میں صرف دو باتیں ہونی چاہییں۔ میٹھا ہو اور بہت ہو۔ سب حاضرین ہنس پڑے۔

ایک روز میر مہدی مجروح بیٹھے تھے اور میرزا پلنگ پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے میر مہدی پانو دابنے لگے۔ میرزا نے کہا بھئی تو سید زادہ ہے مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے؟ انھوں نے نہ مانا اور کہا آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پیر دابنے کی اُجرت دے دیجیے میرزا نے کہا ہاں اس کا مضائقہ نہیں۔ جب پانو داب چکے تو انھوں نے اُجرت طلب کی۔ میرزا نے کہا بھیا کیسی اُجرت۔ تم نے میرے

پاؤں دابے میں نے تمھارے پیسے دابے۔ حساب برابر ہوا۔

ایک دفعہ رات کو پلنگ پر لیٹے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تاروں کو آسمانی چادر میں بکھرا ہوا دیکھ کر فرمایا جو کام خودرائی سے کیا جاتا ہے اکثر بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ ستاروں کو دیکھو کس ابتری سے بکھرے ہوئے ہیں۔ نہ تناسب ہے نہ انتظام ہے نہ بیل ہے نہ بوٹا ہے۔ مگر بادشاہ خودمختار ہے کوئی دم نہیں مار سکتا ہے۔

ایک دن سید سردار مرزا مرحوم شام کو چلے آئے جب تھوڑی دیر ٹھہر کر وہ جانے لگے تو میرزا خود اپنے ہاتھ میں شمع دان لیکر کھسکتے ہوئے لب فرش تک آئے تاکہ روشنی میں جوتا دیکھ کر پہن لیں۔ انھوں نے کہا قبلہ وکعبہ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی میں اپنا جوتا آپ پہن لیتا۔ میرزا نے کہا میں آپ کا جوتا دکھانے کو شمع دان نہیں لایا بلکہ اس لیے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں۔

رمضان کے مہینے میں ایک سُنّی مولوی میرزا صاحب کی ملاقات کو تشریف لائے۔ عصر کا وقت تھا میرزا نے خدمت گار سے پانی مانگا۔ مولوی صاحب نے تعجب سے کہا کیا جناب کا روزہ نہیں میرزا نے کہا سُنی مسلمان ہوں چار گھڑی دن رہے روزہ کھول لیتا ہوں۔

نواب علاء الدین خاں مرحوم نے میرزا سے فرمائش کی کہ ولادت کی تاریخ

اور لڑکے کا تاریخی نام نکال دیں جس کے جواب میں میرزا صاحب نے کہا کہ میرا ممدوح جیتا نہیں ہے۔ نصیر الدین حیدر۔ امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل بسے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے پھر نہ سنبھل سکے جس کی مدح میں دس بیس قصیدے لکھے وہ عدم سے بھی پرے پہونچا۔ صاحب دہائی خدا کی نہ میں تاریخ ولادت کہونگا۔ نہ تاریخی نام ڈھونڈوں گا۔

کسی نے امراؤ سنگھ نامی ایک شاگرد کی بیوی کے مرنے کا حال میرزا کو لکھا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ اس کے ننھے ننھے بچے ہیں اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے۔ میرزا نے اس کے جواب میں یہ لکھا کہ اللہ اللہ ایک وہ ہیں جن کی دو دو بار بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے سبب پروں میں منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ میرزا نے دیکھ کر کہا میاں مٹھو نہ تمھارے جورو نہ بچے تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو۔

ایک دفعہ میرزا مکان بدلنا چاہتے تھے۔ ایک مکان آپ خود دیکھ کر آئے اس کا دیوان خانہ پسند آگیا مگر محل سرا نہ دیکھ سکے گھر پر آکر اس کے دیکھنے کے لیے بیوی کو بھیجا وہ دیکھ کر آئیں تو اُن سے پسند نا پسند کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے

کہا اس میں تو لوگ بلا بتاتے ہیں۔ میرزا نے کہا کیا دنیا میں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی بلا ہے۔

میرزا الہی بخش خاں معروف ایک مقدس بزرگ تھے۔ اور میرزا صاحب کے خسر تھے ایک بار انھوں نے میرزا صاحب سے شجرہ نقل کرایا۔ آپ نے نقل کرتے وقت ایک نام لکھدیا دوسرا حذف کر دیا۔ تیسرا پھر لکھدیا چوتھا پھر ساقط کر دیا۔ اس طرح شجرہ نقل کر کے اُن کو حوالے کیا وہ اس کو دیکھ کر بہت خفا ہوئے کہا یہ کیا غضب کیا میرزا نے کہا حضرت آپ اس کا خیال نہ فرمائیے۔ شجرہ در اصل خدا تک پہونچنے کا ایک زینہ ہے سو زینے کی ایک سیڑھی اگر بیچ میں سے نکال دی جائے تو چنداں ہرج واقع نہیں ہوتا آدمی ذرا اچک کر اوپر چڑھ سکتا ہے۔

ایک صاحب نے جو غالبا بنارس یا لکھنؤ سے دلی میں آئے تھے میرزا کے ایک شعر کی ان کے سامنے نہایت تعریف کی۔ میرزا نے کہا ارشاد ہو وہ کون سا شعر ہو انھوں نے میر امانی متخلص بہ اسد شاگرد میرزا رفیع کا یہ شعر پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

چونکہ شعر میں اسد تخلص واقع ہوا تھا انھوں نے یہ سمجھا کہ میرزا غالب کا شعر ہی۔ میرزا سن کر چیں بہ جبیں ہوئے اور فرمایا اگر کسی اور اسد کا شعر ہو تو اس کو رحمت خدا کی اور اگر مجھ اسد کا شعر ہو تو مجھ پر لعنت خدا کی۔ "مرے شیر" اور یہ دونوں عامیانہ

محاورے ہیں اور میرزا صاحب عامیانہ خیالات سے اجتناب کرتے تھے۔

میرزا نے مرنے سے آٹھ سات برس پہلے اپنی تاریخ وفات کا مادہ نکالا تھا جس میں ۱۲۷۷ھ نکلتے تھے اتفاق سے اسی سال شہر میں وبا آئی مگر میرزا بچ گئے۔ اس امر کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی یعنی اس سنہ میں مجھے مرنا چاہیے تھا مگر میں نے اس وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں میری کسرِ شان تھی۔ بعد رفع فسادِ ہوا سمجھ لیا جائے گا۔

ایک مرتبہ چوبدار بادشاہی اولوش لیکر آیا۔ ایک باہر کا رہنے والا طالبِ علم جو میرزا سے کچھ پڑھا کرتا تھا موجود تھا چوبدار کے چلے جانے کے بعد اس نے میرزا سے متعجب ہو کر پوچھا کہ یعنی روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے بطورِ اولوش تقسیم ہوتی ہے میرزا نے کہا ارے احمق چنا وہ چیز ہے کہ اس نے ایک دفعہ جنابِ الٰہی میں فریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں مجھے دلتے ہیں پیستے ہیں بھونتے ہیں۔ پکاتے ہیں اور مجھ سے سیکڑوں چیزیں بنا کر کھاتے ہیں جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوتا وہاں سے حکم ہوا کہ ارے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جائے ورنہ ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ تجھ کو کھا جائیں۔

میرزا کے سامنے کسی نے شراب اور اس کے پینے والوں کی مذمت کی اور کہا کہ شرابخوار کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ میرزا صاحب نے کہا بھائی جس کو شراب میسر ہو اُس کو اور کیا چاہیے جس کے لیے دعا مانگے۔

بھوپال سے ایک شخص دلّی کی سیر کو آئے میرزا صاحب سے بھی ملے۔ وضع قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پرہیزگار ہیں۔ میرزا صاحب ان کے ساتھ عمدہ طریقے سے پیش آئے مگر وہ ایسے وقت ان کے پاس پہونچے تھے جبکہ گلاس اور شراب کا شیشہ آگے رکھا تھا۔ ان بیچارے کو بادہ نوشی کی خبر نہ تھی۔ شربت کا شیشہ سمجھ کر ہاتھ میں اُٹھالیا۔ جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ اس میں شراب ہے تو یہ عذر کیا کہ میں نے شربت کے دھوکے میں اس کو اُٹھالیا تھا۔ میرزا صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور کہا زہے نصیب دھوکے میں نجات ہو گئی۔

ایک مرتبہ آپ ماہِ مبارک میں نواب حسین مرزا کے ہاں گئے اور ان سے ہاں کی فرمائش کی اِس وقت ایک زاہدِ خشک بھی اس جلسہ میں موجود تھے "زاہدِ خشک" بولے حضرت آپ روزہ کیوں نہیں رکھتے؟ میرزا بھئی کیا کروں شیطان غالب ہے۔

کسی نے میرزا صاحب سے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ موسم سرما میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ آپ نے فرمایا کہ گرمی میں اس بیچارے کی

کونسی عزت ہوتی ہے جو جاڑے میں گھر سے باہر نکلے"

ایک کنکھجورے کو ایک لنجے نے مار ڈالا میرزا صاحب نے دیکھ کر کہا کہ دیکھیے جب موت آتی ہے تو ہزار پا ایک بے دست و پا سے نہیں بھاگ سکتا۔

میرزا صاحب (اپنے شاگردوں سے) "جب میں مر جاؤں تو کہیں سے پرانا کفن لانا اس میں مجھ کو لپیٹ کر رکھ دینا"
شاگرد "اس سے کیا فائدہ؟"
میرزا صاحب "جب منکر نکیر آئیں گے تو پرانا کفن دیکھ کر سوال و جواب کے پلٹ جائیں گے"

میرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ایک دن ہٹ کرنے لگا مٹھائی منگا دو میرزا صاحب نے کہا پیسہ نہیں ہے۔ وہ صندوقچہ کھول کر ادھر ادھر ڈھونڈنے لگا۔ میرزا صاحب نے مسکرا کر فرمایا ؎

درہم و دام اپنے پاس کہاں
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

مولانا صہبائی "پنج رقعہ اور مینا بازار بھی ظہوری کی تصنیف سے ہیں"
میرزا غالب "ظہوری کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ نثر کے ساتھ نظم نہ لکھے تمام سہ نثر میں

ایسا ایک صفحہ مشکل سے نکلے گا جس میں نثر ہو اور نظم نہ ہو۔ تمام پنج رقعہ و مینا بازار
میں ایک ایک شعر کے سوا کہ وہ بھی ظہوری کا نہیں نظم کا کہیں پتا نہیں۔ یہ بات
سمجھ میں نہیں آئی جو شخص نظم و نثر دونوں چیزوں پر قدرت رکھتا ہو اور اس کی نثر
میں کہیں نظم نہ پائی جائے۔ مولانا صہبائی "ایسے اتفاقات اکثر ہوتے ہیں۔ یہ محض
اتفاق کی بات ہے" میرزا غالب "مگر یہ ایسا اتفاق ہے کہ ایک شخص ہر ایک لحاظ
سے نہایت سنجیدہ شایستہ اور معقول آدمی ہے مگر اتفاق سے کبھی کبھی کاٹ بھی
کھاتا ہے۔

میرزا صاحب فرماتے تھے کہ پانچ لشکروں کا حملہ پے در پے دلی پر ہوا۔
پہلا باغیوں کا لشکر اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں کا اس میں
جان و مال ناموس و ننگ مکان و مکین آسمان و زمین آثار ہستی سراسر لٹ گئے۔ تیسرا
لشکر کال کا اس میں ہزاروں آدمی بھوکوں مر گئے۔ چوتھا لشکر افلاس کا اس میں تاب و
طاقت عموماً لٹ گئی۔

میرزا صاحب ایک روز اپنے دوست کی ملاقات کو گئے۔ دوست
کی یہ عادت تھی جب کوئی ملنے والا آتا تو وہ یہ مصرع پڑھا کرتے تھے ع

بیا برادر آورے کلیسائی

وہ حسب معمول میرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھے اور یہ مصرع پڑھا۔ ابھی یہ دونوں
بیٹھے ہی تھے کہ دوست کی رنڈی بھی آ گئی۔ میرزا صاحب نے کہا کہ ہاں حضرت

اب دوسرا مصرع بھی پڑھ دیجیے کہ ؎

بنشیں مادر بیٹھ رہی مائی

میرزا صاحب کی بہن ایک مرتبہ سخت علیل ہوگئیں، میرزا اُن کی عیادت کو گئے۔ پوچھا کیا حال ہے، وہ بولیں مرتی ہوں اور قرض کا بار اپنی گردن پر لیے جاتی ہوں میرزا صاحب نے کہا یہ فکر بیکار ہے کیا خدا کے ہاں بھی مفتی صدرالدین ہوں گے جو ڈگری کر کے پکڑ بلوائیں گے۔

ایک شاگرد "حضرت آج میں امیر خسرو کی قبر پر گیا تھا مزار پر کھرنی کا درخت ہے اس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں کھرنیوں کا کھانا تھا کہ فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھیے میں کیسا فصیح و بلیغ ہوں"

میرزا صاحب "ارے میاں تین کوس کیوں گئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپلی کی پیپلیاں کیوں نہ کھالیں جو چودہ طبق روشن ہو جاتے!!"

دلّی میں فارسی کا مشاعرہ تھا میرزا نے اپنی غزل میں یہ مصرع پڑھا ؎

بوادئے کہ دراں خضر را عصا خفت است

مفتی صدرالدین خاں آزردہ (صہبائی کی تحریک سے) عصا خفت است میں کلام ہے۔

میرزا غالب حضرت میں ہندی نژاد ہوں میرا عصا پکڑ لیا۔ اس شیرازی کا عصا نہ

پکڑا جس نے یہ کہا ہے ع

دلے بجملہ اول عصائے شیخ بخفت

میرزا نے حضرت صاحب عالم مارہروی سے ان کا سن ولادت دریافت کیا انھوں نے لکھا کہ میرا سال ولادت لفظ "تاریخ" سے نکلتا ہے جس کے عدد ۱۲۱۱ھ ہیں میرزا کی ولادت ۱۲۱۲ھ میں واقع ہوئی تھی چنانچہ اس کے جواب میں میرزا نے یہ شعر لکھ بھیجا ؎

ہاتف غیب سن کے یہ چیخا
ان کی "تاریخ" میرا "تاریخا"

موسم سرما میں ایک نواب صاحب میرزا کے ہاں تشریف لائے میرزا نے ایک گلاس شراب سے بھر کر ان کے آگے رکھدیا۔

نواب صاحب "میں توبہ کر چکا ہوں"

میرزا صاحب (حیرت زدہ ہو کر) کیا جاڑے میں بھی؟"

غدر میں جب میرزا کرنل براون کے روبرو گئے تو اس وقت کلاہ پیاخ ان کے سر پر تھی کرنل براون "ول تم مسلمان ہے؟"

میرزا صاحب "آدھا"

کرنل براون اس کا کیا مطلب؟"

میرزا صاحب "شراب پیتا ہوں سور نہیں کھاتا"
کرنل ہیرسن کر ہنس پڑا۔

برہان قاطع کے طرفدار میرزا کو خطوں میں گالیاں لکھ کر بھیجتے تھے ایک خط میں ماں کی گالی لکھی ہوئی تھی مسکرا کر کہنے لگے اس الّو کو گالی دینی بھی نہیں آتی۔ بڈھے یا ادھیڑ آدمی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں تاکہ اس کو غیرت آئے۔ جوان کو جورو کی گالی دیتے ہیں کیونکہ اس عمر میں جورو سے زیادہ تعلق ہوتا ہے بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں کہ وہ ماں کی برابر کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ یہ قرمساق جو بہتر برس کے بڈھے کو ماں کی گالی دیتا ہے اس سے زیادہ کون بے وقوف ہوگا؟

***

تمام شد

خاتمہ

الحمد للہ کہ نکات غالب کی طبع دوم آج ناظرین کرام کے ہاتھوں تک پہنچتی ہے کتاب کی جو غلطیاں طبع اول میں ہوگئی تھیں اس مرتبہ ان کی تصحیح کردی گئی ہے۔ کاغذ چھپائی لکھائی وہی ہے جو طبع اول کی تھی۔۔ اس کتاب پر اردو اور انگریزی اخبارات میں جو ریویو ہوئے اور پبلک نے جو قدر دانی کی وہ ہمارے لیے ہمت افزا ہے۔ یہ کتاب اردو ادب کے طلبا کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ سلطنت آصفیہ حیدرآباد کے تمام مدارس میں سرکاری طور پر اس کی جلدیں خرید کر بھیجی گئیں اور وہاں کی ٹیکسٹ بک کمیٹی نے اس کو منظور فرمالیا ہے۔

امید ہے کہ یہ دوسرا ایڈیشن اس سے زیادہ مقبول ہوگا اور اس صوبہ کے سررشتہ تعلیم اور دیگر صوبجات میں بھی جہاں اردو نصاب میں داخل ہے غالب کے یہ انمول جواہر پسند کیے جائیں گے فقط

۱۳ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء

خاکسار

نظامی

مہتمم نظامی پریس بدایوں

باہتمام

محمد احمد الدین صاحب

بدایونی لیتھو گرافر

سند یافتہ گورنمنٹ اسکول آف آرٹس

اینڈ کریفٹس لکھنؤ و سٹی اینڈ گلڈس انسٹیٹیوٹ

لندن

زیر نگرانی محمد احمد الدین لیتھو گرافر سند یافتہ لندن

طبع ہوئی